ناشر: حلقہ اربابِ قلم

کرتا رہوں گا جبر و تشدد پہ احتجاج
جب تک زباں میں طاقت عرض کلام ہے

لگتا رہے گا زخم جبین جمود پر
جب تک میرے قلم کی انی بے نیام ہے۔

(فضا ابن فیضی)

نگراں: شکیب الرحمن عبد الکریم خان سنابلی

ناشر
حلقہ ارباب قلم

arbabeqalam50@gmail.com

ارباب قلم کے نام سے نشر ہونے والا یہ ایک برقی مجلہ ہے جس کا اصل مقصد سیال قلم کار، منصف نامہ نگار، مصنف و مؤلف، محرر اور محقق پیدا کرنا ہے، تاکہ ہم تحریری شکل میں دین کی خدمت انجام دے سکیں۔ (ادارہ)

کمپوزر
منصور حنیف
ڈیزائنر
محمد سعود مقصود انصاری

فہرست مضامین

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

(اداریہ)

فتنہ ءارتداد، اسباب و تدارک

اسداللہ ابو طالب امواوی

ایک غیرت مند مسلمان کے لیے کتنی تکلیف دہ خبر ہو گی کہ اس کی قوم کی بیٹیاں مرتد ہو رہی ہیں، آئے دن ایسی خبریں شوشل میڈیا یا پرنٹ میڈیا کے توسط سے ملتی رہتی ہیں، گزشتہ ماہ کسی اخبار کا تراشیدہ نظر سے گزرا، روح فرسا خبر کی سرخی پڑھ کر کبیدہ خاطر ہو گیا، دل خون کے آنسو رونے لگا، وہ خبر کسی دیندار گھرانے کی تھی کہ "صوم وصلاۃ کی پابند نصرت مرتد ہو کر نشا سنگھ بن گئی" اب آپ ہی بتائیں کہ ہم کس کو ذمہ دار سمجھیں، آئے دن اس طرح کی خبریں پڑھتے ہیں اور پڑھ کر گزر جاتے ہیں، اس کے سدباب کے لیے ہمارے پاس نا وقت ہے اور نا ہی کوئی لائحہ عمل، ہر والدین کو اپنی تربیت پر ناز ہے کہ ہماری بیٹیاں ایسی حرکتیں نہیں کر سکتیں، لیکن جب کر گزرتی ہیں تب سر پھوڑتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے وقت سے پہلے ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیے، اپنی اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی کو موبائل فون دینے کے بعد ان پر نظر رکھنا ضروری ہے، ان کے فون کا پاسورڈ معلوم ہونا چاہیے، کیونکہ موبائل ہاتھ میں آجانے کے بعد لاکھ گھر کے دروازے بند ہوں

انٹرنیٹ کی دنیامیں سارے دروازے وا ہوتے ہیں، جائز و ناجائز جگہوں پر جانے کی آزادی ہوتی ہے جس کی بدولت گناہ میں ملوث ہونا آسان ہوتا ہے، واٹس اپ، فیس بک، انسٹا گرام اور اسنیپ چیٹ وغیرہ کے ذریعے ایک دوسرے سے تعلقات بڑھانا نہایت ہی آسان اور سہل ہو چکا ہے، ہماری بہنیں اور بیٹیاں صنف نازک ہیں جنہیں کوئی بھی بآسانی اپنا شکار بنالیتا ہے۔ جب ہم غور کرتے ہیں کہ آخر مسلمان لڑکیاں اس تیزی سے ارتداد کا شکار کیوں ہو رہی ہیں تو بنیادی طور پر چند چیزیں سامنے آتی ہیں۔

(1) دین سے دوری: دینی تعلیم کا رواج بالکل ختم ہوتا جارہا ہے، جب گھر میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت سے اس کے مستقبل کی پلاننگ شروع ہو جاتی ہے، ڈاکٹر، ماسٹر اور انجینئر بنانے کی فکر میں دینی تعلیم کو خاطر میں نہیں لاتے، نتیجہ یہ نکل کر سامنے آتا ہے کہ بچہ دنیا کی نگاہ میں کامیاب تو ہوتا ہے مگر افسوس کہ دین میں زیرو، اللہ و رسول کی معرفت نہیں ہوتی، اسلام کی بنیاد سے یکسر نابلد ہوتا ہے، تو بھلا بتائیں کہ اپنے دین سے کیسے محبت کر سکتا ہے، اور اگر دین سے محبت ہی نہ ہو تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔

تدارک: اس کا حل یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کی دنیاوی تعلیم سے پہلے اسلام کی بنیادی تعلیم کی فکر کریں، دینی مدارس و مکاتب میں داخلہ کرائیں، اور جب بچہ اسلام کی بنیادی تعلیم میں ازبر ہو جائے تو انہیں دیگر علوم کی طرف مائل

کرائیں، اگر مکمل وقت دینی تعلیم کے حصول میں نہیں دے سکتے تو کم از کم جزء وقتی مکاتب کو لازم پکڑیں، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کا تقاضا بھی یہی ہے۔

(2) دینی تربیت کی کمی: ہمارے گھروں میں اب تربیت مفقود ہوتی جارہی ہے، والدین اپنے بچوں کو اسکول کے حوالے کرنے کے بعد بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم نے بہت مہنگے اسکول میں داخلہ کروادیا ہے وہاں تعلیم و تربیت دونوں کا انتظام ہے، حالانکہ یہ صرف ان کی خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے، بچہ کیا سیکھ رہا ہے ہمیں کوئی فکر نہیں ہوتی، پروگرام میں شرکت کے نام پر لڑکیوں کو ڈانس کرایا جاتا ہے اور وہی والدین سامعین میں بیٹھ کر تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں، پھر یہی بچیاں آگے چل کر ڈانس پارٹی اور نہ جانے کن کن بے حیایوں کا حصہ بنتی ہیں، اس وقت کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

تدارک: اپنے گھروں میں دینی ماحول پیدا کریں، خود نمازوں کی پابندی کریں اور اپنے بچوں کو بھی اس کا عادی بنائیں، کیونکہ نماز برائیوں سے روکتی ہے، فرمان ربانی ہے "اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃ اِنَّ الصَّلٰوۃ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ لَذِکْرُ اللہِ اَکْبَرُ وَ اللہ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (سورۃ العنکبوت -45) جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیے اور نماز قائم کریں یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز

ہے تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبر دار ہے۔ تلاوت قرآن، اذکار صبح و شام، کھانے پینے، چلنے پھرنے اور گفت و شنید کے آداب سکھائیں، رشتے داروں اور پڑوسیوں کے حقوق بتلائیں، ہمیشہ اللہ سے ڈرنے کی تعلیم دیں، دینی کتابوں کے مطالعہ کا عادی بنائیں، شوشل میڈیا کے فوائد و مضرات سے آگاہ کرائیں۔

(3) **بے جا آزادی اور بے پردگی:** آج ہمارے معاشرے کے بچے بچیاں وقت سے پہلے بڑے ہونے لگے ہیں، وہ خود کو ہر قسم سے آزاد سمجھتے ہیں، اگر انہیں گھر میں کسی نے تربیت دینے کی کوشش کی یا دنیا کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا تو انہیں خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں، جس کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بے پردگی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ پردہ کرنے والی دوشیزاؤں کو قدامت پسندی کا طعنہ دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے گھر سے باحجاب نکلنے والی نوجوان بیٹیاں باہر جا کر بے حجاب ہو جاتی ہیں، بلکہ برقعہ و نقاب کو غیر شادی شدہ لڑکیاں معیوب سمجھنے لگی ہیں، ان کا خیال ہے کہ برقعہ تو شادی شدہ خواتین پہنتی ہیں۔ حالانکہ فتنہ سے بچنے کے لیے غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیوں پر واجب ہے کہ پردہ کریں۔ آج کل کی اسی حالت کی ترجمانی کرتے ہوئے اکبرالہ آبادی نے کچھ یوں کہا تھا!

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبؔر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو میں نے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا۔

تدارک : والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچے بچیوں کو بالکل کھلی چھوٹ نہ دیں، اولاد کی صحیح تربیت کے لیے ان پر شکاری کی طرح نظر رکھیں، ان کے نشست و برخواست کا علم ہو، دوست اور ملنے جلنے والوں کے اخلاق و کردار کے بارے میں بھی جانکاری ہو، بچیوں کی بلوغت سے پہلے ایسی تربیت دے دیں کہ وہ حیا کی دیوی بن جائے، غیروں کے سامنے تو کجا اپنے گھر والوں کے سامنے بھی بلا اوڑھنی نہ رہے، بصورت اضطراری گھر سے نکلنا بھی پڑے تو تنہا نکلنے سے کترائے، غیر محرم سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو لہجہ شیریں نہ ہو۔ یہ سب گھر کی اسلامی تربیت سے ممکن ہے۔

(4) **مخلوط تعلیم یا مخلوط ملازمت :** اسکولوں اور کالجوں میں رائج مخلوط نظام تعلیم ایک ایسا سم قاتل ہے جس نے ملت اسلامیہ کے نوجوان نسل کے اندر غیرت ایمانی، حیاء اور شرافت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے، مخلوط تعلیم کی وجہ سے مسلم لڑکیاں غیر مسلموں کے دام محبت میں آسانی سے پھنس کر ان کی شیطانی حملے کا شکار بن جاتی ہیں اور وقتی دوستی اور معمولی منفعت کے چکر میں آسانی سے مرتد ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے اسلامی تعلیمات میں مخلوط تعلیم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، دین اسلام تعلیم نسواں کا مخالف نہیں ہے، اور یہی حالت مخلوط ملازمت کی بھی ہے۔ علامہ اقبال نے اس کی مذمت کچھ اس انداز سے کی ہے۔

جس علم کي تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت ہے اگر مدرسہ زن بیگانہ رہے دیں سے

تدارک: امت مسلمہ پر یہ فرض عین ہے کہ تعلیم کا ایسا نظام قائم کریں کہ جس میں علیحدہ علیحدہ تعلیم ہو، ابتدائی اسکول سے لیکر کالج اور یونیورسٹی تک الگ الگ نظام کے ساتھ تعلیم دی جائے، ورنہ آئے دن جیسی جیسی خبریں موصول ہو رہی ہیں اس کا گراف اس قدر بڑھ جائے گا جس کا تصور بھی نہیں کیا سکتا۔

(5) شادیوں میں تاخیر اور جہیز کی لعنت: آج کل شادیوں میں تاخیر ایک فیشن بن چکا ہے، بلوغت کے فوراً بعد شادی کا تصور ختم ہو چکا ہے، بلکہ اگر کسی نے بلوغت کے بعد فوراً شادی کرلی تو اسے معاشرہ میں مطعون قرار دیا جاتا ہے، شادی میں تاخیر کے اسباب پر غور کریں تو مندرجہ ذیل چیزیں سامنے آتی ہیں۔

(الف) اعلیٰ تعلیم (ب) اچھا روزگار (ج) عالیشان مکان (د) بہن کی شادی پہلے ہو (ھ) اپنی برادری سے باہر نہ نکلنا (و) جہیز کا انتظام (لڑکی کے گھر والے کی طرف سے) یہ تاخیر لڑکے والے اور لڑکی والے دونوں کی طرف سے ہوتی ہے، لڑکی کا باپ 25-30 سال کے نوجوان داماد میں وہ خوبیاں تلاش کرتا ہے جو خود 60 سال کی عمر میں بھی نہ پا سکا ہو، اس ناتجربہ کار داماد کا مقابلہ اپنے سے کرنے لگتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی نظر میں کوئی نوجوان اس کی بیٹی کے لائق ہی نہیں ہوتا۔ نتیجتاً لڑکا بھی اس اسٹیٹس کو پانے کے لیے اپنا سنہری جوانی کھپا دیتا ہے۔ اسی طرح جہیز کی لعنت بھی بچیوں کی شادی میں تاخیر کا سبب ہے، متوسط درجہ کا باپ پوری عمر بیٹی کا جہیز تیار

کرنے میں لگا دیتا ہے، تا کہ سسرال والوں کی نظر میں اس کی بیٹی کا کچھ مقام رہے، ان کے سامنے سر اٹھا کر جی سکے، دوسری طرف بچی کی عمر ڈھلنے لگتی ہے، بسا اوقات یہی لڑکیاں شادی میں تاخیر کی وجہ سے غلط راستہ اپنا کر گھر اور خاندان کا ناک کٹوا دیتی ہے، پھر ان کی آنکھیں کھلتی ہیں، مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے، پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا ہے، بقول شاعر

"سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیا"

تدارک: اس کے علاج کے طور پر صرف دو باتیں کہوں گا کیونکہ مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے۔

(1) بلوغت کے فوراً بعد بچے بچیوں کی شادی کرادی جائے، فرمان باری تعالیٰ ہے: وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ(سورہ نور:32) تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالی انہیں اپنے فضل سے غنی بنادے گا اللہ تعالی کشادگی والا اور علم والا ہے۔

(2) شادی کو سادی بنائیں، یعنی بالکل سادگی سے اور کم سے کم خرچ میں شادی کریں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "خير النكاح أيْسَرُه" (ابو داؤد :2117، بسند جید) بہترین نکاح وہی ہے جو زیادہ آسانی والا ہو۔

(6)اسلام کے متعلق اٹھنے والے شکوک و شبہات: اسلام مخالف قران و حدیث ہی کے بعض احکامات کو مشکوک انداز میں بیان کرتے ہیں اور ہماری مسلمان قوم قرآن و حدیث کے ان احکامات کو نہیں سمجھنے کی وجہ سے ان کا شکار ہو جاتی ہے اور تشفی بخش جواب نہ ملنے کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں ایسے ہزار شکوک و شبہات گھر کر جاتے ہیں مثلاً مرد کو عورتوں پر فوقیت دی گئی ہے اور عورتوں کو مردوں کے ماتحت قرار دیا گیا ہے، گویا اسلام اونچ نیچ کا درس دیتا ہے، مردوں کو چار شادیوں کی اجازت کیوں ہے؟ غیر مسلم نیکیاں کرنے کے باوجود جہنمی کیوں ہے؟ اور مسلمان گناہوں کا پہاڑ لے کر بھی جنت کا مستحق کیسے؟ نماز، روزہ اور حجاب پر جبر کیوں؟ اجنبی مردوں سے گفتگو ممنوع اور کم عمر میں شادی وغیرہ یہ سب کیوں؟ ان جیسے سینکڑوں سوالات نوجوان لڑکے لڑکیوں کے ذہنوں میں گردش کرتے ہیں اور ان کا اطمینان بخش جواب نہ ملنے پر الحاد و ارتداد کی طرف ان کا سفر شروع ہو جاتا ہے بلکہ بیشتر ملحد و مرتد بن جاتے ہیں۔

تدارک: بالعموم ایسے لوگوں کو لعن و طعن کیا جاتا ہے، ان پر سختیاں کی جاتی ہیں، تنقید اور بے جا تبصرے کیے جاتے ہیں اولاً تو ہم اس فتنے کو اہمیت ہی نہیں دیتے ثانیاً اس فتنے کو نہایت ہی سختی سے دبانے اور انتہائی حقارت امیز انداز میں شکوک و شبہات کے حامل نوجوانوں کو دھتکارنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ ہمیں اس کے سدباب کی تدابیر کرنا چاہیے تھا، مساجد اور دیگر دینی تنظیموں کو اس پر سنجیدہ

ہونا ہو گا، جمعہ کے خطبات، دروس، ورکشاپ اور اجتماعات وغیرہ کے ذریعے ان شکوک وشبہات کاازالہ کرنا ہو گا، علماء کی ایسی ٹیم تیار کرنی ہو گی جن کو خاص طور پر ارتداد کی جانب مائل نوجوانوں کے ذہنوں میں پلنے والے سوالات کے جواب پر مکمل عبور حاصل ہو وہ انتہائی منطقی انداز میں جواب دے کر مطمئن کر سکتے ہوں۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا سطور میں چند اہم اسباب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا پاس ولحاظ رکھنا ازحد ضروری ہے، ورنہ ہماری بہن بیٹیاں یونہی الحاد وارتداد کا شکار ہوتی رہیں گی، ایمان و اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی، اور ہم بے بس تماشا دیکھتے رہیں گے اللہ ہمیں ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے! آمین!

مشکلة الشر کا مسئله

ہدایت اللہ فارس

مشکلۃ الشر عربی کے دو لفظوں سے مرکب ایک اصطلاح ہے جسے انگلش میں Problem of evil کہا جاتا ہے، یہ مبحث "تھیو ڈیسیا" (Theodicy) کے تحت داخل ہے جو دو یونانی لفظوں پر مشتمل ایک کلمہ ہے جس کی اصل تھیو س بمعنی الہ اور د کی بمعنی عدل ہے، یعنی معبود کا عدل۔

اس کلمہ کا ظہور پہلی مرتبہ فلسفی لیبنتس کے قلم سے اس کی اپنی کتاب: "Essais de Theodicee sur la Bont de Dieu....." میں 1710م کو ہوا۔

اللہ رب العالمین کے عدم وجود پر ملحدین کا یہی مرکزی دلیل اور حجت ہے (معاذ اللہ) جس کی صراحت امریکی فلسفی Michael Twonley نے 2010 کے ایک مناظرہ میں کی ہے۔

حتی کہ ایک المانی ملحد Georg Buchner نے اسے "الحاد کی چٹان" سے تعبیر کیا ہے!

تو یہ ہے مشکلة الشر کا مختصر تعارف۔

اسی شبہ کے ذریعے ملحدین اللہ رب العزت کے علیم ہونے، قدیر ہونے اور حکیم ہونے کی نفی کرتے ہیں کہ دنیا میں شر کا وجود اللہ کے علیم، قدیر اور حکیم ہونے کے منافی ہے، کیونکہ اس کا علم، اور اس کی قدرت و حکمت اس بات کا متقاضی ہے کہ کسی قسم کے شر (برائی) کو وجود میں آنے سے روکے!

لہذا ثابت ہوا کہ دنیا میں شر کا پایا جانا ہی اس الہ کے وجود کی نفی کر رہا ہے جس سے سابقہ تینوں صفات کا مفقود ہونا ممکن امر ہے۔

عقل و دانش سے کورے ان ملحدین کا سب سے بڑا شبہ یہی ہے کہ اللہ تعالی کسی ایسی چیز کو کیسے پیدا کر سکتا ہے جس میں شر موجود ہو، باوجود کہ وہ اسے ناپسند کرتا ہے!

عقلی و نقلی دلائل سے شبہ کا ازالہ:

سب سے پہلی بات یہ کہ ہم اہل توحید کا اس معاملے میں قطعی اعتقاد ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔ارشاد ربانی ہے: إن الله على كل شيء قدير

یعنی ہر شے خواہ اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے اس کے علم، اس کی کتاب اور اس کی مشیت میں داخل ہے اور اس کی قدرت سے کوئی بھی چیز خارج نہیں ہے۔ جس طرح دنیا میں خیر کا وجود اللہ کی مرضی کے بنا ناممکن ہے ٹھیک اسی طرح شر کا وجود بھی اس کی مرضی کے بغیر ناممکن ہے۔

لہذا جو بھی شے واقع ہونے والی ہوتی ہے اس کا علم اللہ تعالی کو پہلے سے ہوتا ہے اور

لوح محفوظ میں وہ لکھی ہوئی ہوتی ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِى ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِىٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ مِّن قَبۡلِ أَن نَّبۡرَأَهَآۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ

ترجمہ: نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور یہ کام اللہ تعالی پر بالکل آسان ہے۔(الحدید:۲۲)

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:مَّا فَرَّطۡنَا فِى ٱلۡكِتَٰبِ مِن شَىۡءٍۚ

کہ ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔(الأنعام:۳۸)

اس ضروری وضاحت کے بعد اب ہم مذکورہ شبہ کا عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں بالاختصار کھنڈن کرتے ہیں۔

(1) شر کی اضافت اللہ تعالی کی طرف نہ تو فعلا کی جا,سکتی ہے اور نہ ہی وصفا، کیوں کہ شر مخلوق کے اندر رہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اللہ کے حضور فرماتے ہیں:"الخير كله في يديك والشر ليس إليك"(صحیح مسلم:۷۷۱)

اس کی سمجھ جنات کو بھی پہلے سے رہی ہے،چنانچہ اللہ تعالی ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَأَنَّا لَا نَدۡرِىٓ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِى ٱلۡأَرۡضِ أَمۡ أَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا (الجن:۱۰)

آیت میں غور کریں! جب شر کی بات آئی تو مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا اور جب خیر کی بات آئی تو صراحتا صیغہ معروف سے رب تعالی کی طرف اس کی اضافت کی گئ! اور آخر شر کی اضافت اس ذات وحدہ لاشریک لہ کی طرف کیسے کی جاسکتی جو تمام عیوب ونقائص سے بالکل پاک ہے!

اور یہ ممکن بھی کیسے ہو سکتا ہے جب اللہ تعالی خود فرماتا ہے کہ وہ صراط مستقیم پر ہے:

إِنَّ رَبِّى عَلَىٰ صِرٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ(هود: ٥٦)

لہذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے تمام افعال واحکام عدل اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں۔

(2) اللہ رب العزت کی مخلوقات میں شر محض تو دور شر غالب بھی نہیں ہے بلکہ تمام مخلوقات میں اصل یا تو خیر محض ہے یا پھر خیر غالب، وہ مخلوقات جن میں خیر محض ہوتا ہے "انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السّلام" ہیں اور بقیہ خیر محض وغالب میں مشترک ہیں۔

واضح رہے کہ ہم یقینا دنیا میں شر کے موجود ہونے کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کسی بھی صورت تسلیم نہیں کرتے کہ وہ شر محض ہے، جیسا کہ ملحدین کا گمان ہے!

بلکہ دنیا میں جتنے انواع کی مصائب ومشکلات ہیں ان میں خیر اور مصلحت ضرور ہوتی ہے، یعنی ایک ناحیہ سے شر تو دوسرے ناحیہ سے خیر موجود ہوتا ہے اور خیر کا پہلو ہی زیادہ غالب ہوتا ہے۔

لہذا عقل ان مصائب ومشکلات کے وجود کا ہی تقاضا کرتی ہے نہ کہ عدم وجود کا۔!

ان کی کج فہمی کی انتہاء دیکھیے کہ یہ لوگ پانی اور آگ کی مثال پیش کرکے گویا ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے سیلاب میں بے شمار بستیاں ڈوب کر تباہ ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح آگ بھی بہت سارے فسادات کا سبب بنتی ہے! اچھا! لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہ نادر الوقوع واقعات اس بات کے متقاضی ہیں کہ جس پانی سے تمام مخلوقات کی زندگی ٹکی ہوئی ہے اور جس آگ سے بے شمار فوائد حاصل کیے جاتے ہیں اسے شر محض کہہ کر اس کے موجود ہونے پر سوالیہ نشان لگا دی جائے کہ اللہ نے اسے وجود کیوں بخشا؟!

کیا کوئی عقل سلیم کا حامل انسان اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے، ہر گز نہیں! بلکہ ایسا انسان اصلا پانی اور آگ میں شر کے ہونے کو ہی تسلیم نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اس میں شر محض کو تسلیم کر لے۔

لہذا حکمت ایسے شر کے وجود کا ہی تقاضا کرتی ہے، جس میں خیر کا پہلو زیادہ غالب ہو نہ کہ اس کے عدم وجود کا اور ساتھ ہی ایسا شر خالق کائنات کے موجود ہونے کو ہی مستلزم ہے نہ کہ عدم وجود کو۔

(3) مخلوقات میں جو شر موجود ہوتا ہے وہ شر نسبی ہوتا ہے، یعنی یہ شر یا تو باعتبار محلہ ہوتا ہے یا پھر اس شخص کے لیے ہوتا ہے جو اس سے متأثر ہوتا ہے اور یہی شر خود اس

متاثر شخص کے لیے یا دوسروں کے لیے ایک یا ایک سے زائد اعتبار سے اپنے اندر خیر بھی لیا ہوا ہوتا ہے، پھر وہ انسان اس خیر سے یا تو دنیا ہی میں بہرہ ور ہو جاتا ہے یا پھر آخرت کے لیے اسے مؤجل کر دیا جاتا ہے۔

اگر اتنی سی بات سمجھ لی جائے تو اللہ تعالی کے پیدہ کردہ تمام انواعِ شر کو دنیا میں وجود بخشنے کے پیچھے جو حکمت اور مصلحت ہے اس کی جھلک ضرور نمایا ہو جائے گی۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر مصیبت میں اللہ تعالی نے بہت زیادہ خیر رکھا ہوا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ خیر کبھی ہمارے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور بسا اوقات وہ ہم سے پوشیدہ ہی رہ جاتا ہے۔

لہذا اگر ہماری عقل مشکلات میں پوشیدہ حکمت کو تلاش کرنے میں ناکام ہو جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سرے سے اس میں کوئی حکمت یا مصلحت ہے ہی نہیں!

کیوں کہ کسی چیز کی موجودگی کا علم نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اصلا موجود ہی نہیں ہے۔

یہ وہ قاعدہ کلیہ ہے جس سے کوئی بھی عقل مند انسان انکاری نہیں ہو سکتا!

اور اسی قاعدہ کی رو سے اللہ تعالی کا شر کو وجود بخشنے کے پیچھے خاص حکمت کا موجود ہونا بھی لازم آتا ہے۔

بس قصور ہمارے فہم کا ہے کہ جس چیز کا علم ہمارے پاس ہوتا ہے اس کے ذریعے ہم

ان اشیاء پر قیاس آرائیاں شروع کر دیتے ہیں جو ہم سے مخفی ہوتی ہیں!

(4) دنیا کے اندر اللہ تعالی کی جو رحمتیں، خیرات وبرکات اور نعمتیں موجود ہیں وہ شر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں!

اللہ فرماتا ہے:وَإِن تَعُدُّواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآۗ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَظَلُومٞ كَفَّارٞ

ترجمہ:اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انھیں پورے کبھی گن نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔(إبراهيم:٣٤)

سورہ نحل میں بھی اللہ تعالی نے یہ بات بتائی کہ: وإن تعدوا ذنِعۡمَةَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَغَفُورٞ رَّحِيمٞ (النحل: ١٨)

آپ ذرا سوچیں کیا کوئی اس بات سے کہ "دنیا میں صحت مند لوگوں کی تعداد مریضوں سے ہزاروں گنا زیادہ ہیں" انکار کر سکتا ہے؟! ہرگز نہیں!

اسی طرح زلزلے، حوادث اور جلنے کٹنے سے لے کر اکسڈ ینٹ ہونے جیسے واقعات بہت کم رونما ہوتے ہیں بنسبت اس طرح کے حادثے نہ ہونے کے۔

تو کیا یہ دنیا میں شر کے بالمقابل خیر کے زیادہ ہونے کی دلیل نہیں؟! اس سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو یا تو سخت متعصب اور ناانصاف ہے یا حد درجہ کم عقل!

(5) دنیا میں شر کا وجود حسنِ عالم کو مستلزم ہے، بس ضروری یہ ہے کہ نظر اشیاء کے کل پر ہو نہ کہ جزء پر، اور ملحدین کی سب سے بڑی خامی اور نادانی یہی ہے کہ وہ نظر کو اشیاء کے جزء پر مقید کر کے کُل پر حکم عائد کرنے کی ناروا کوشش کرتے

ہیں! ایک مثال سے ہم اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛

ہمارے سامنے کئی کمروں پر مشتمل ایک خوبصورت محل ہو جس میں ایک کمرہ کے سامان منتشر ہونے کی وجہ سے بقیہ کمروں کے مقابلے میں وہ کمرہ اچھا نہ دکھ رہا ہو تو کیا پورے محل پر بدصورتی کا مہر لگا دیا جانا عقلمندی کی دلیل ہو سکتی ہے؟!

حاشا و کلا!

ٹھیک یہی مسئلہ دنیا میں موجود شر کا ہے، اس کے روئے زمین میں موجود ہونے کی خوبصورتی تبھی ظاہر ہو سکتی ہے جب نظر کل پر ڈالی جائے۔

ذرا سوچیں! اگر بیماری کا وجود نہ ہو تو صحت مندی کی کیا قیمت، غریبی نہ ہو تو دولت کی کیا قیمت اسی طرح مشقت و پریشانی نہ ہو تو کامیابی کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟! ان ساری چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس دنیاوی زندگی پر غور کریں تو مصائب و مشکلات کے بغیر یہ زندگی بالکل بدمزہ ہو کر رہ جاتی ہے، کیوں کہ کسی بھی شے کا حسن اس کی ضد سے نمایا ہوتا ہے۔

ایک اہم بات یہ کہ دنیا میں موجود تمام قسم کے شر میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ لہذا عدم مصلحت کا دعوی کرنا بالکل ناممکن دعوی ہے، کیوں کہ اس کی اصل تک پہنچنے کے لیے ایسے علم کی ضرورت ہے جو ساری چیزوں کو محیط ہو اور انسان تو اس پر تمکن حاصل کرنے سے رہا۔!

اللہ کا ارشاد ہے: وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلۡعِلۡمِ إِلَّا قَلِيلًا

انھیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے!(الإسراء:۸۵)

اخیر میں ان ملحدین سے ہم بھی ایک دو سوال داغنا چاہتے ہیں کہ اے عقل کے مارو! اگر شر کا وجود اللہ سبحانہ وتعالی کے عدم وجود کی دلیل ہے تو دنیا میں جو خیر موجود ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے کیا یہ اللہ تعالی کے موجود ہونے پر دلیل نہیں؟! جبکہ اصل تو خیر ہی ہے اور وہی زیادہ ہے اس کے مقابلے میں تو شر بہت تھوڑے ہیں۔۔!

دوسرا سوال: ملحدین کے نزدیک جب سارے اشیاء مادی ہیں اور یہ دنیا ایسے ہی اتفاقا بلا خالق وجود میں آ گئی ہے تو پھر حکمت، غایت، احساس، خیر و شر، حق کو ثابت کرنے کا معیار اور صحیح غلط کی معرفت کا کیا تصور؟!

کیوں کہ ان کے نزدیک تو ایسا کوئی خالق ہے ہی نہیں العیاذ باللہ جو ان چیزوں کو وجود میں لائے! پھر شر سے استدلال کیسے کیا جارہا ہے، آخر اصلا اس شر کا معیار کیا ہے؟! یہ کیسے فیصلہ کیا جارہا ہے کہ فلاں چیز شر ہے، فلاں صحیح ہے اور فلاں چیز صحیح نہیں ہے! کوئی معیار تو ہو جس کے ذریعے استدلال کیا جارہا ہے!

ہمیں پتا ہے ان سارے سولات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں سوائے ہفوات بکنے کے، کیوں کہ ان کی عقل پر پردے پڑے ہیں اور انھوں نے شیطان کو اپنا سردار بنا رکھا ہے۔

محترم قارئین!

خلاصہ یہ کہ دنیا دار الابتلاء ہے، اللہ تعالی نے اسے آزمائش وامتحان کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ نعمت وسعادت کی ریل پیل کے لیے۔اللہ رب العالمین فرماتا ہے: ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًاۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفُورُ

لہذا جب دنیادار سعادت نہیں ہے تو تمام قسم کی نعمتوں،لذتوں کے حصول اور غموں کے زوال کا متمنی ہونا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں!انسان کے لیے بھلائی اسی میں ہے کہ وہ وہی کام کرے جس سے اللہ راضی ہو جائے تا کہ آخرت میں سعادت والی زندگی نصیب ہو، بصورت دیگر ایسے لوگوں کے لیے جہنم کی آگ تیار ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، کیوں کہ انصاف کا یہی تقاضا ہے اور یقینا اللہ تعالی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔إِنَّ للّٰه لَا يظلم النَّاسَ شَيْئًا وَلكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ب لا شبہ اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتاہاں انسان خود ہی اپنے نفس کا ظالم ہوتا ہے۔
(یونس:٤٤)

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالی جو کرتا ہے اس پر کوئی سوال نہیں ہو گا کیوں کہ وہ خالق ہے اللہ فرماتا ہے: لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ

پرہاں انسانوں سے اپنے کیے پر سوال ضرور ہو گا۔

اللہ سے دعا ہے کہ تاحیات وہ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رکھے اور جب ہم اس سے ملیں تو ایمان کی حالت میں ملیں۔ آمین

روزہ اور اس کے طبی فوائد

امیر الہدیٰ محمد موسیٰ

اس میں کوئی شک نہیں کہ روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ جو ہر بالغ و عاقل اور صحت مند مسلمان پر فرض کیا گیا ہے۔ روزہ صرف اور صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ نفس کی تطہیر اور اللہ کے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک مذہبی فریضہ ہی نہیں اس کے بے شمار جسمانی، ذہنی اور طبی فوائد بھی ہیں جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان "وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ"

اگر تم باشعور ہو تو تمہارے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے (سورۃ البقرۃ 184)

جدید سائنسی تحقیق نے بھی ثابت کیا ہے کہ روزہ رکھنے سے انسانی جسم میں حیرت انگیز اور خوشگوار تبدیلیاں آتی ہیں جو اسے دیرپا فائدہ پہنچاتی ہیں۔

قارئین کرام! جدید سائنس روزہ رکھنے کے کیا فوائد بتاتی ہے آئیے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں

جسمانی فوائد:

(1) ہاضمے کے نظام کو آرام: روزہ ہمارے نظامِ ہضم و معدے اور آنتوں

کو آرام فراہم کرتا ہے۔ جس سے ہاضمے کی کارکردگی بہتر ہوتی ہے غیر ضروری چربی اور ٹاکسنز (Toxins) خارج ہوتے ہیں جو جسمانی توانائی میں اضافہ کرتا ہے۔

(2)وزن میں کمی: روزہ رکھنے سے میٹابولزم (Metabolism) تیز ہوتا ہے اور چربی کے پگھلنے کا عمل بھی تیز ہو جاتا ہے جس سے ہارمونز (Hormones) کا توازن بہتر ہوتا ہے جو وزن کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

(3)بلڈ پریشر کنٹرول: روزہ دل کی صحت کو بہتر بناتا ہے اور ہائی بلڈ پریشر کو کم کرنے میں مدد گار ثابت ہوتا ہے۔

(4)جسمانی طاقت میں اضافہ: روزہ رکھنے سے جسم میں ہارمونز کی پیداوار متوازن ہوتی ہے، جو توانائی اور طاقت کو بڑھاتی ہے۔

ذہنی فوائد:

1: ڈپریشن اور اسٹریس میں کمی: روزہ ذہن کو سکون فراہم کرتا ہے اور دماغی تناؤ کو کم کرتا ہے جس کی وجہ سے دماغ میں خوشی کے ہارمونز سیروٹونین (Serotonin) کی مقدار بڑھتی ہے۔ روزہ ایک قسم کی نیچرل تھراپی (Natural Therapy) ہے جو دماغ کو سکون پہنچاتی ہے۔

2: فوکس اور یکسوئی: روزہ رکھنے سے دماغ کو سکون فراہم اور ذہنی تناؤ کم ہوتا ہے، جس سے انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بہتر ہوتی ہے اور منفی خیالات

میں کمی اور مثبت طرز فکر میں اضافہ ہوتا ہے۔

3: **خود پر کنٹرول:** روزہ ہمیں خواہشات پر قابو پانے کی مشق کراتا ہے ضبط نفس اور صبر کی صلاحیت کو فروغ دیتا ہے جو کامیاب زندگی کے لیے ضروری ہے۔

4: **دماغی صلاحیت میں اضافہ:** روزہ رکھنے سے دماغ میں نئے خلیے بنتے ہیں، جو یادداشت اور فیصلہ سازی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

متوازن غذا

سحری میں کیا کھائیں؟: سحری میں کھانے کے لیے جیسے دلیہ، انڈے، دہی، دودھ اور خشک میوہ جات بہترین توانائی فراہم کرتے ہیں اور دن بھر جسم کو متحرک رکھتے ہیں۔

افطاری میں کیا ضروری ہے؟: کھجور، تازہ پھل، سبزیاں، پروٹین سے بھرپور غذائیں اور کم چکنائی والے کھانے افطار کے لیے بہترین ہیں۔

پانی کی کمی سے بچیں! افطار سے لے کر سحری تک زیادہ پانی اور قدرتی مشروبات کا استعمال لازمی کریں تاکہ جسم ہائڈریٹ (Hydrate) رہے۔

قارئین عظام! مذکورہ بالا سطور سے معلوم ہوا کہ روزہ صرف ایک مذہبی عبادت نہیں بلکہ ایک بہترین طرزِ زندگی ہے۔ جو ہمیں جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر مضبوط بناتا ہے اور ایک نئی توانائی بخشتا ہے۔ اگر روزے کو متوازن غذا اور صحیح

طریقے سے رکھا جائے تو یہ صحت کے لیے ایک نعمت بن سکتا ہے۔ تو آئیں! صحت مند زندگی کی طرف ایک قدم بڑھائیں اور روزے کے بے شمار فوائد سے لطف اندوز ہوں۔

استقبالِ رمضان

منصور حنیف

جب ہمیں کسی خاص مہمان کی آمد کی اطلاع ملتی ہے تو ہم اس کے استقبال کے لیے پوری طرح متحرک ہو جاتے ہیں۔ صفائی مہم شروع کر دیتے ہیں، گھر یا کمرے کو سجانے لگ جاتے ہیں اور ہر چیز کو منظم کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ مہمان کی ضیافت میں کیا پکوان ہونے چاہیے، کون سی مشروبات پیش کیے جائیں، اور کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔

ہم یہ سب کچھ مہمان کی آمد سے پہلے ہی سوچ لیتے ہیں تا کہ اس کا استقبال بہترین انداز میں ہو۔

لیکن ذرا سوچیے! وہ عظیم مہینہ، جو سال میں ایک بار بشکل مہمان ہمارے درمیان تشریف لاتا ہے، جو تمام مہینوں کا سردار ہے، جس میں قرآن مجید جیسی عظیم کتاب نازل ہوئی، جس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس مبارک مہینے رمضان کے استقبال کے لیے ہمیں کس قدر بہترین تیاری کرنی چاہیے؟

لیکن یہاں ہمیں کسی قسم کے پکوانوں اور دیگر ظاہری تیاریوں کی

ضرورت نہیں، بلکہ اصل تیاری ہمارے نفس کی تبدیلی ہے۔ ہمیں اپنے دل و دماغ کو بدلنا، اپنے اعمال کو سنوارنا ہو گا اور اپنی عادات میں مثبت تبدیلی لانی ہو گی، کیونکہ جیسے ہی رمضان کا چاند نظر آتا ہے، آسمانی نظام میں عظیم تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں: جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ شرکش شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں، خیر وبرکت کے بادل سایہ فگن ہو جاتے ہیں، رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے، ایک منادی ندا لگاتا ہے: "اے بھلائی کے طلب گار! آگے بڑھ جا، اور اے برائی کرنے والے! رک جا، یہ عام دنوں کی طرح نہیں، بلکہ توبہ واستغفار کا مہینہ ہے۔" اب بتائیے! جب رمضان کا چاند طلوع ہوتے ہی کائنات میں ایسی عظیم تبدیلیاں آتی ہیں، تو کیا ہمیں خود کو تبدیل کرنے کو تیار نہیں ہونا چاہیے ؟!۔

ہمیں دخول رمضان سے پہلے پہلے ان چند امور پر خاص توجہ دینی چاہیے اور عملی زندگی میں شامل کرلینا چاہیے:

(1) بحث ومباحثہ سے اجتناب گھر میں امن وامان اور ایمانی فضا قایم رکھنا؛

رمضان کے مہینہ میں ہمیں بلاوجہ کی بحث ومباحثہ سے اجتناب کرنا چاہیے اور گھر کے اندر بیوی بچوں کے ساتھ ایک ایمان افروز ماحول پیدا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛ "وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا"

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا

ہے۔(النحل:80) اس سکون کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ رمضان سے پہلے ہی تمام اہم مسائل کو حل کرلیا جائے تاکہ عبادت میں کوئی رکاوٹ نہ پیش ہو، تمام تر جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کردیا جائے، قلوب واذہان کو صاف ستھرا کرکے اس بابرکت مہینے کا استقبال کیا جائے۔

(2) **غصہ اور ناراضگی سے پہلو تہی:** خاص کر رمضان کے مبارک مہینے میں ہمیں اپنے غصے کو کنٹرول میں رکھنا چاہیے، اپنے دوستوں، ساتھیوں اور گھروالوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے، اور اگر کسی سے ناراضگی ہو تو اسے ختم کردینا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ"

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور اپنے معاملات درست کرو۔(الأنفال:1) اگر کسی سے کوئی رنجش ہو تو اسے رفع دفع کر کر دینا چاہیے، کیونکہ رمضان مصالحت اور محبت کا مہینہ ہے۔

(3) **گناہوں سے سچی توبہ:** ماہ رمضان ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں۔ فرمان الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔(التحریم: 8)اور(توبة نصوحا) سچی توبہ وہی ہے جس میں: تمام گناہوں سے حقیقی دستبرداری ہو، جو گناہ سرزد ہو جائے ان پر ندامت وپشیمانی ہو، آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہو۔

(4) دنیاوی فکروں سے نجات: اس بابرکت مہینے میں ہمیں غیر ضروری خیالات سے آزاد ہو جانا چاہیے اور صرف ایک فکر کو لازم پکڑنا چاہیے، اور وہ ہے اللہ کی رضا۔ دنیاوی فکر، مال و دولت کے مسائل، روزمرہ کی پریشانیاں یہ سب وقتی ہیں، ہمیں رمضان میں اپنی تمام تر توجہ اپنے گناہوں کی معافی اور جہنم سے آزادی پر مرکوز کرنی چاہیے۔

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک غریب شخص اپنے بچوں کی ضروریات پوری نہ کرسکنے کی وجہ سے شدید فکر میں مبتلا تھا، وہ دن رات اسی سوچ میں ڈوبا رہتا، حتیٰ کہ اسی پریشانی میں اس کی جان چلی گئی۔ یہ دنیا اتنی قیمتی نہیں کہ ہم اس کے لیے اپنی زندگی برباد کر دیں، اصل کامیابی اللہ کی رضا ہے، اگر اللہ ہم سے راضی ہو گیا، تو سمجھ لیجیے دنیا و آخرت دونوں سنور گئی۔ لہٰذا، اس مبارک مہینے میں ہمیں بس ایک ہی فکر ہونی چاہیے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور جہنم سے نجات مل جائے!

خلاصہ کلام: رمضان کا مہینہ ہی ایک ایسا مبارک مہینہ ہے جو ہمیں اپنی زندگی کو بہتر بنانے، اپنی غلطیوں کو سدھارنے اور اپنے اعمال کو خالص کرنے کا موقع دیتا ہے، ہمیں چاہیے کہ اس مہینے کو غنیمت سمجھتے ہوئے بھرپور فائدہ اٹھائیں، اپنے اندر حقیقی تبدیلی پیدا کریں، اور اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کی تگ و دو کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک مہینے کو ہمارے حق میں بابرکت بنائے اور اس سے حقیقی فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

تقویٰ ربانی کی عجیب کہانی!

عبدالقادر مطیع الرحمن

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد :

احباب کرام! جیسے علم میں گہرائی و گیرائی انسان کو غیر معلوم باتوں پر جرأت کرنے سے روکتی ہے، پس وہ ان مسائل پر زبان نہیں کھولتا، جن میں اس کو خاطر خواہ علم نہیں ہوتا، وہ کچھ کہنے اور بولنے سے احتیاط برتتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی غلط بات صادر نہ ہو جائے، جس پر بعد ازاں اسے پشیمانی اٹھانی پڑے یا اللہ کے روبرو مسؤول ہونا پڑے۔ اسی طرح تقویٰ الٰہی کا معاملہ ہے، جو انسان کو بے سود باتوں میں مصروف ہونے سے روکتا ہے۔

پس وہ عام لوگوں کی طرح مجلس لہو ولعب میں نہیں بیٹھتا۔ فالتو کی باتوں سے گریز کرتا ہے گویا وہ " مِنْ حُسنِ إسْلاَمِ المرءِ تركُه مَا لَا يَعنِيْه" کی تصویر بن جاتا ہے۔ وہ ذکر الٰہی کو افضل جانتا ہے، سو اس کی زبان نبی کریم ﷺ کے قول:" لايزالُ لسانُك رطبًا من ذكر الله" کے مصداق ذکر الٰہی سے تر رہتی ہے۔ ہاں اگر کبھی من بھٹک کر خاموش ہو جائے، خود کلامی یا گنگنانے لگے یا پھر کوئی بے مطلب کی بات کرنے لگے تو اسے استغفار کرتے ہوئے واپس ذکر کی طرف

پلٹنے میں دیر نہیں لگتی، سچ کہا رب العزت نے: إِنَّ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْ إِذَا مَسَّهُمۡ طَآئِفٌ مِّنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبۡصِرُونَ. یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ جو شخص جس قدر معرفت الہی کا حامل ہو گا، رب کی مرضیات اور منہیات سے جتنا زیادہ واقف ہو گا، وہ رب العالمین سے اسی قدر خوف و خشیت رکھے گا، بشرط ایں کہ یہ معرفت اس کے قلب و جگر میں پیوست ہو جائے۔ فرمایا رب العزت نے: إِنَّمَا يَخۡشَى ٱللَّهَ مِنۡ عِبَادِهِ ٱلۡعُلَمَٰٓؤُاْۗ

عزیزو! یہ تقوی بڑی عجیب چیز ہے۔ اس کی ترسیخ و تعمیر بڑا صبر آزما اور مشکل طلب ہے جب کہ مسمار کرنا بڑا سہل اور زود حاصل۔ مہینوں اور سالوں میں تعمیر ہونے والا یہ محل بعید نہیں کہ ایک آن میں دھڑام سے نیچے آ گرے، کیونکہ انسانی جبلت میں جہاں اطاعت اور بندگی شامل ہے وہیں بہکنا، پھسلنا، گمراہی اور عصیان بھی شامل ہے اور شیطان لعین اسی گوشۂ ناتواں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انس و جن کو بہکانے میں ایک بھی لمحہ فرو گزاشت نہیں کرتا، ساتھ ہی دیوار تقوی میں رخنہ پڑنا بنسبت مستحکم اور پائدار ہونے کے، بڑا آسان ہے۔ یہ رمضان جہاں کھانے پینے اور شہوت حلال سے روک کر انسان کو يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُم بِٱلۡغَيۡبِ کا مصداق بناتا ہے، وہیں زبان کو لغو سے پرہیز اور ترک لایعنی کی خوبی سے مزین کرتا ہے۔ مشہور حدیث رسول ﷺ ہے " مَن لم يَدَعْ قولَ الزُّورِ والعَمَلَ به ،فَليسَ للهِ حاجةٌ في أن يَدَعَ طعامَه وشرابَه". چوں کہ روزہ رکھنا خود ایک

عبادت ہے تو انسان حالت عبادت میں کوئی گناہ کرنے سے کتراتا ہے اور یہ فطری بات ہے، اس لیے دل میں تقوی کے ساتھ قول و عمل میں سچائی کو لازم پکڑنا خاصا آسان ہو جاتا ہے۔

محترم قارئین! عبادات میں بڑے عظیم مقاصد پنہاں ہیں۔ ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں شاید کہ چند مقاصد عیاں ہوں۔ سب سے عظیم عبادت توحید باری تعالیٰ سے شروعات کرتے ہیں، تو قرآن کریم کا اولین امر یوں ہمارے سامنے آتا ہے کہ: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعۡبُدُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُمۡ وَٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ آیت مذکور میں اللہ تعالیٰ نے توحید ربوبیت سے، توحید الوہیت پر استدلال کیا ہے اور اس مہتم بالشان عبادت کا مقصد حصول تقوی قرار دیا ہے۔ فریضۂ نماز کی ادائیگی پر اللہ تعالی نے کہا کہ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنۡهَىٰ عَنِ ٱلۡفَحۡشَآءِ وَٱلۡمُنكَرِۗ فواحش و منکرات سے اجتناب کرنا تقوی کا اولین ثمرہ ہے، بغیر تقوی کے یہ ممکن نہیں۔ فریضۂ زکاۃ کو دیکھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس کے عظیم مقصد کی وضاحت رب العزت نے ان الفاظ میں کی ہے: خُذۡ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡ صَدَقَةٗ تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيهِم بِهَا زکاۃ کی ادائیگی سے جان و مال کا تصفیہ و تزکیہ ہوتا ہے نیز اس آیت میں ایک بلاغی نقطہ یہ دیکھیں کہ متعلق فعل محذوف ہے، جس سے تعمیم لازم آتی ہے۔ مطلب ایں کہ ممکنہ تمام طرح کی آلودگی و گندگی، غلاظت اور آلائش سے پاکی و صفائی مقصود ہے اور یہی پاکی، تقویٰ الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔ اب صوم رمضان پر نظر التفات کریں تو

دیکھیں گے کہ روزے کی فرضیت پر سب سے مشہور قرآنی دلیل میں حصول تقوی ہی کا مقصد کارفرما ہے۔ فرمایا رب کعبہ نے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ اس اعلی منشا کی جزوی توضیح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث نے کی ہے کہ:" مَن لم يَدَع قولَ الزُّورِ والعَمَل به ،فليسَ للهِ حاجةٌ في أن يَدَعَ طعامَه وشرابَه". پس قول و عمل میں صداقت وامانت تقویٰ ربانی کے سرچشمہ کا ایک مظہر ہے۔

دین اسلام کے پانچویں رکن ،حج بیت اللہ پر ایک نظر دوڑائیں تو واضح الفاظ میں رب العالمین کا فرمان ملے گا کہ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الحج جنسی خواہشات، فسق وفجور اور تمام طرح کے لڑائی جھگڑے کو بالائے طاق رکھ کر ہی حج ادا کیا جائے۔

واضح ہے کہ مذکورہ چیزیں تقوی الہی کے منافی ہیں۔ گو کہ حلال قضائے شہوت فی نفسہ مباح امر ہے لیکن حالت احرام میں حرام ہے اور یہ حرمت بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے بایں طور کہ آدمی ایام حج میں اس قدر تسلسل کے ساتھ روح عبادت میں غرق رہتا ہے کہ وہ شہوت کے خیال سے بھی دریغ کرے۔

محترمی! حاصل کلام ایں کہ آپ تمام ارکان اسلام میں تقوی کی حصولیابی اور دل میں اس کو مستحکم کرنے کے عظیم مقصد کو اساسی طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ ایک اور چیز جو آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں وہ یہ کہ اسلام ان تمام بنیادی عبادتوں کے ذریعہ

ہمیں اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے کی تعلیم دیتا ہے، آپ ان تمام کو اعلی اخلاق اور اسلامی اقدار سے جڑے اہم پہلوؤں پر شامل پائیں گے۔ توحید باری تعالٰی میں تقوی کی حصولیابی کو اساسی مقصد قرار دیا گیا ہے، جو کہ منبع خیر و ہدایت ہے۔ نماز قائم کرنے سے فواحش و منکرات سے اجتناب کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، زکاۃ ادا کرنے سے جانی و مالی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے، رمضان کے روزے سے تقوی کے ساتھ قول وعمل میں صدق و امانت پیدا ہوتی ہے اور ترک لایعنی کا التزام نشو ونما پاتا ہے۔ حج بیت اللہ سے فسق وفجور اور لڑائی جھگڑے سے کنارہ کشی اور عامۃ الناس سے معاملۂ حسنہ کی تعلیم ملتی ہے۔ غرضیکہ دین اسلام نے اپنی جملہ عبادتوں کے ذریعے ہماری حسن تربیت کا سامان فراہم کیا ہے۔ اپنے اساسی مقصد (تقوی) کے ساتھ دیگر عظیم مقاصد کا بھی داعی اور رہبر ہے۔ اخیر میں دعا کرتے چلیں کہ اللہ ہمیں ان مقاصد کو حاصل کرنے کی توفیق دے، ہمارے اندر صلاح و تقوی کو جاگزیں کر دے۔ دنیا میں خوش باش زندگی نصیب کرے اور آخرت میں جنت الفردوس میں اعلی مقام دے! آمین!

توبہ و استغفار کی اہمیت و فضیلت

فرحان احمد عبدالرب

قارئین کرام: سب سے پہلے ہم توبہ و استغفار کا معنی جان لیتے ہیں تا کہ مضمون کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نا آئے توبہ: گناہوں کی آلودگی سے احکامِ الٰہیہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف ظاہری اور باطنی طور پر رجوع کرنے کو کہتے ہیں جبکہ اللہ سے معافی طلب کرنا، گناہوں کی بخشش مانگنا دنیا میں بندوں پر گناہوں کی ستر پوشی طلب کرنے کو استغفار کہتے ہیں۔

محترم قارئین!انسان خطا ونسیان کا پتلا ہے کوئی بھی انسان معصوم نہیں ہر فرد بشر سے خطا، لغزش اور غلطی کا صدور ہو سکتا ہے کوئی انسان گناہوں، لغزشوں اور خطاؤں سے منزہ اور پاک نہیں بلکہ انسان اسی فطرت و جبلت پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خطائیں کرے گا ،لغزشیں کرے گا، معصیت و گناہ ایسا دروازہ ہے جس سے ہر انسان گزرتا ہے یہ ایسا بحر ہے جس میں ہر بنی نوعِ انسان گرتا ہے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں سوائے جن کے قلوب کو اللہ نے کبیرہ گناہوں سے پاک کر دیا ہے اور وہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی ذات مبارکہ ہے ان کے علاوہ ہر انسان سے کبیرہ و صغیرہ گناہوں کا ارتکاب متوقع و متصور ہے اسی بنا پر اللہ رب العزت نے توبہ کا دروازہ

کھولا توبہ کو مشروع قرار دیا کہ کہیں ایسا نا ہو کہ میرا بندہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد مایوس و پریشان ہو جائے بلکہ کہا میری رحمت سے مایوس نا ہو پس سب سے بہتر اور سمجھدار خطا کار وہ ہے جو اپنے کیئے پر نادم و شرم سار ہو کر اپنے دل میں گناہ کا اعتراف کرتا ہے کیوں کہ توبہ کی پہلی سیڑھی ہی اعتراف جرم اور گناہ کا احساس ہے رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ کے جذبہ سے شرشار ہو کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے اللہ سے معافی مانگتا ہے اور آئندہ محرمات کا ارتکاب نا کرنے کا عزم مصمم کرتا ہے ایسا خطا کار دوسرے تمام خطا کاروں سے بہتر اور اللہ کے نزدیک محبوب ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے كل بني أدم خطاء وخير الخطائين التوابون (حسن/ اخرجه الترمذي2499) کہ ہر انسان خطا کار ہے اور سب سے بہترین خطا کار وہ ہے جو اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرے گناہ کے فورا بعد شرمندگی اور ندامت کا طاری ہونا، اللہ کی نافرمانی کا احساس ہونا یہ ایمان کی علامت اور رب کے ساتھ مضبوط ربط و تعلق کی نشانی ہے زندہ دل کی پہچان ہے توبہ ایسا مبارک و بابرکت عمل ہے جو اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ اور اہمیت کا حامل ہے اسی بنا پر خود اللہ رب العزت نے توبہ کرنے والوں سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے اللہ کا فرمان ہے: إن الله يحب التوابين....... الآية(سورة بقرة222) کہ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے وہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین بندے ہیں اللہ تعالی اپنے بندوں کی توبہ کو بہت پسند کرتا ہے وہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے جیسا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللهُ أشَدُّ فرَحًا بتوبةِ عبدِه مِن أحَدِكم يستيقظُ على بعيرِه أضلَّه بأرضٍ فَلاةٍ(متفق عليه)"

مفہوم: جب کوئی شخص توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس نے اپنا اونٹ صحرا میں کھو جانے کے بعد پا یا لیا ہو۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین چیز نہ ہوتی تو وہ اپنے سب سے معزز اور محبوب بندوں کو گناہ میں مبتلا نہ کرتا لیکن چونکہ وہ اپنے بندے کی توبہ کو پسند فرماتا ہے، اس لیے وہ اسے ایسے گناہ میں آزماتا ہے جو توبہ کا موجب بنتا ہے، اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اور زیادہ محبت کرنے لگتا ہے، کیونکہ توبہ کرنے والوں کے لیے اس کے ہاں ایک خاص محبت ہے۔(جامع المسائل | لابن تيمية41:4)

دنیا میں رہنے والا ہر مسلمان جانتا ہے کہ شیطان انسان کا قدیمی دشمن ہے۔ انسان کو راہِ راست سے بہکانے کے لیے کبھی کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتا ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کیسے بنی آدم کو اللہ کی نافرمانی میں مبتلا کرے اسکے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے لیکن اللہ اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے جسکا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إن الشيطانَ قال: وعزّتِكَ يا ربِّ، لا أبرَحُ أغوي عِبادَكَ ما دامتْ أرْواحُهم في أَجْسادِهم، قال الرَّبُّ: وعزَّتي وجَلالي، لا

أزالُ أغفِرُ لهم ما استَغْفَروني". حسن [بمجموع طرقه]أخرجه أحمد (11237)
شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا: ''اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا، جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں موجود رہیں گی۔'' (جواب میں) اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ''میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میرے بلند مرتبے کی قسم! جب تک میرے بندے مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے، میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔

محترم قارئین: توبہ واستغفار ایسی عظیم خصلت ہے جو انبیاء کرام کی صفات میں شامل ہے دنیا کے اندر اللہ کی سب سے برگزیدہ مخلوق جسے پوری دنیا انبیاء کرام کے نام سے جانتی ہے، انبیاء کرام معصوم عن الخطاء ہیں مبشر بالجنہ ہیں پھر بھی وہ اپنے رب سے کثرت سے توبہ واستغفار کیا کرتے تھے بلکہ تمام انبیاء کرام میں سب سے افضل اور اکمل ذات ہمارے پیارے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ اور شخصیت مطہرہ ہے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی وہ ہستی ہے جس کے متعلق امت محمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ معصوم عن الخطا ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اطاعت اور عبادتِ الٰہی میں گزارا۔ گناہ کرنا تو کجا آپ کے دل و دماغ میں گناہ کا کبھی تصور بھی پیدا نہیں ہوا جبکہ اللہ نے انکے اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرمادیا ہے جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (سورة فتح :2) اس کے باوجود آنحضرت ﷺ

کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے صحیح بخاری کی حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے اپنے استغفار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: واللّٰه إِنِّي لأَسْتَغْفِرُ الله، وَأَتُوبُ إِلَيْه، في اليَوْمِ، أَكْثر مِنْ سَبْعِين مرَّةً (صحیح بخاری)اللہ کی قسم! بیشک میں دن بھر میں ستر بار سے بھی زیادہ اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں یہ اللہ کے نبی ﷺ کی حالت ہے جن کی ساری زندگی بندگی اور اطاعت میں گزری جہنم سے نجات اور جنت کا سرٹیفیکیٹ پانے کے باوجود بھی استغفار کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنایا ہوا تھا اور ہر وقت ان کی زبانِ مبارک سے استغفار کے کلمات ہی سنائی دیتے تھے رجوع الی اللہ جیسی عظیم صفت انکی زندگی کا لازمی حصہ قرار پائی لیکن ادھر ہماری حالت یہ ہے کہ نہ بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ خوف کا احساس ہے ہماری زندگیوں کے شب و روز بغاوت، سرکشی، لالچ اور طلبِ دنیا الغرض معصیتوں سے آلودہ ہیں دنیا کی محبت نے ہمیں آخرت سے غافل کر رکھا ہے اس عارضی اور ختم ہو جانے والی زندگی کو ہم نے اپنا مطمح نظر بنایا ہوا ہے۔

خوف خدا، فکر آخرت اور بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا احساس ہمارے اندر سے معدوم ہوتا جا رہا ہے ہماری نیکیاں ہمارے گناہوں کی دبیز تہہ میں دب کر رہ گئی ہیں پھر بھی ہم نے توبہ جیسی نعمت سے منہ پھیر لیا ہے آخر ہمیں کیا ہو گیا؟ کیا ہمارے دل زنگ آلو ہو گئے ہیں؟ کیا ہمارے اندر عقل و شعور باقی نہیں رہا؟ کیا ہمارے اذہان مفلوج ہو گئے ہیں؟ کیا ہمارے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں

کہ ہم محرمات و منہیات کا ارتکاب کرنے کے باوجود بھی خالق حقیقی سے توبہ نہیں کرتے کیا ہماری ذات انبیاء کرام علیہم اجمعین کی ذات سے بھی زیادہ افضل اور اکمل ہے کہ ہمارے ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھتے نہیں جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر توبہ کی طرف ہماری توبہ مبذول کرائی ہے وہ چاہتا کہ ہم اپنی گندگی سے پاک ہو جائیں رب العزت اپنی محبت میں اتنا وسیع، اپنی رحمت میں اتنا ناقابل یقین حد تک لامحدود کہ وہ توبہ کرنے والوں کو معاف کر دیتا ہے خواہ توبہ کرنے والا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو جب وہ بارگاہِ الٰہی میں سر جھکا کر رب رب کے الفاظ سے اپنے خالقِ حقیقی سے معافی مانگتا ہے تو اس کی رحمت کا بحرِ بیکراں جوش میں آ کر اس کے گناہوں کے تمام خس و خاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے جس طرح لوہا پانی میں پڑا رہنے سے زنگ خوردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی قلوب گناہوں کی نجاست سے آلودہ ہونے کے باعث زنگ خوردہ اور سیاہی آلود ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں استغفار کی ریتی ہی اس زنگ کو دور کر کے چمکا سکتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ایک طویل حدیث ہے جس کے آخر میں یہ ذکر ہے: إنَّ المؤمنَ إذا أذنبَ كانت نكتةٌ سوداءُ في قلبِه فإن تاب ونزع واستغفرَ صقلَ قلبُه (حسن / ترمذي 3334)

مؤمن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لے اور اپنے گناہوں سے معافی مانگ لے تو اس سے اس کا

قلب چمک اُٹھتا ہے پتہ چلا کہ استغفار ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنے دلوں سے گناہوں کی سیاہی کو دور کر کے مالک حقیقی کا قرب حاصل کر سکتا ہے رب العالمین نے قرآن مجید میں اور نبی ﷺ نے اپنی حدیث مبار کہ میں توبہ کی طرف رغبت دلائی ہے جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ.....الآية (التحريم8)

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مومنوں کو توبہ کی رغبت دلائی ہے اور توبہ کو دخول جنت کا سبب بتلایا ہے صحیح مسلم کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَا أَيُّها النَّاس تُوبُوا إلى اللَّهِ واسْتغْفرُوهُ فإِني أَتوبُ في اليَوْمِ مائِة مَرَّة(صحیح مسلم)

کہ اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اس کی بارگاہ میں استغفار کرو جبکہ میں میرا حال یہ ہے کہ میں پورے دن میں سو مرتبہ سے بھی زیادہ رب کل کائنات سے مغفرت طلب کرتا ہوں جو لوگ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے بخشش و مغفرت کا سوال نہیں کرتے اور غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے توبہ نہیں کرتے ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مالک ارض و سماء کی ناراضگی کا اظہار کیا ہے پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: والَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ، وَلَجاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ، فَيَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ، فَيَغْفِرُ لهمْ.أخرجه مسلم(2749)اس

ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم گناہ کا ارتکاب نا کرو تو اللہ تم کو صفحہ ارضي سے ختم کر کے ایسے لوگوں کو لائے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ سے توبہ کریں گے پس اللہ ان کو معاف فرما دیگا اس حدیث سے ایسے لوگوں کے لیے مالک حقیقی کی ناراضگی اور خفگی کا پتہ چلتا ہے جو لوگ اللہ رب العزت سے توبہ نہیں کرتے ہیں اس سے معافی نہیں مانگتے اسی طرح یہ بات بھی بالکل واضح اور روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ کے نزدیک توبہ و استغفار کی کیا اہمیت ہے اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے توبہ و استغفار ہماری زندگیوں میں کس قدر ضروری ہے اس حدیث مبارکہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک اشکال کا ازالہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سے کوئی یہ نا سمجھ بیٹھے کہ اللہ بندوں سے نافرمانی چاہتا ہے ہر گز نہیں! بلکہ معصیت و گناہ تو انسان کے حق میں حتمی ہے انسان سے گناہ کا صادر ہونا لازمی ہے اسکا علم اللہ کو ازل سے ہے لیکن یہاں اللہ کو بندوں سے معصیت مطلوب نہیں ہے بلکہ نافرمانی کے بعد توبہ مقصود و مطلوب ہے۔

قارئین کرام! توبہ و استغفار فوز و فلاح، کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے اگر کوئی شخص دونوں جہان میں کامیابی چاہتا ہے تو وہ کثرت سے توبہ کرے اور جس کو توبہ کی تحریک ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کامیابی کی راہ پر گامزن ہے اللہ رب العزت کا واضح ارشاد ہے:وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اے مومنو! تم سب اللہ سے توبہ کرو امید ہے کہ تم فلاح و کامیاب ہو جاؤ(النور 31)
اس آیت میں اللہ رب العالمین نے فلاح و بہبود کو توبہ سے مربوط کر دیا ہے
توبہ کی شکل میں اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں پر ایسا گراں قدر انعام کیا ہے کہ اگر توبہ کا دروازہ بند ہوتا تو انسان مشکلات میں پڑ جاتا ہے کیوں کہ انسا ضعیف و ناتواں اور نحیف پیدا کیا گیا ہے وہ شیطانی بہکاوے اور جال میں پھنس کر نفس امارہ کی پیروی کر کے خواہشات کے بوجھ تلے دب کر اللہ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے لیکن اللہ رب العزت نے ایسے خطا کاروں کے لیے مغفرت و بخشش کا مژدہ سنایا ہے کہ اے کمزور انسان! اگر تو دنیا کی رنگینیوں سے دھوکا و فریب کھا کر خواہش نفس کے آگے مغلوب ہو کر شیطان کے مکر و حیلے میں آ کر میری نافرمانی کر بیٹھے تو تو میری رحمت سے مایوس نا ہونا خواہ تیرے گناہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں یا بحرِ بیکراں کے قطرات سے زائد ہوں تو بھی استغفار سے سب محو ہو جاتے ہیں کیوں کہ تیرے رب کی رحمت تیرے گناہوں سے بھی زیادہ وسیع ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے ابن آدم! تو جب تک مجھ سے دعا کرے گا اور امید رکھے گا تیرے جو گناہ بھی ہوں گے معاف کر دونگا اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو بھی میں تجھے گناہوں سے معافی دونگا، اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر گناہ لایا لیکن شرک نہ کیا

تو میں اتنی ہی مغفرت اور بخشش لے کر ملوں گا (ترمذی) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ(الزمر53)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی تم کہہ دو کہ میرے وہ بندے جنہوں نے معصیت کرکے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے تم اللہ کی رحمت سے مایوس نا ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیگا وہ غفور الرحیم ہے آج ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کے گناہ انکی نیکیوں سے تجاوز کر چکے ہیں اور کم علمی کی بنا پر وہ اس احساس کمتری کا شکار ہیں کہ اب ہماری توبہ قبول ہی نہیں ہو گی ہماری مغفرت نہیں ہو سکتی ہم دن و رات محظورات میں مبتلا رہتے ہیں اللہ ہماری توبہ کیوں کر قبول کرے گا؟ ایسے لوگوں کو یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنانے کی ضرورت ہے اور بتانے کی ضرورت ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے کتنی محبت کرتا ہے کہ اگر بندہ خلوص نیت سے اللہ کے سامنے گڑ گڑائے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور دوبارہ معصیت کی طرف نا پلٹے تو اللہ اسکے تمام تر ذنوب کو مٹا دیگا اور اسی طرح معاشرے کے اندر اک طبقہ ایسا بھی ہے جسکا معاملہ بالکل اس کے بر عکس ہے جو یہ سوچتا ہے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لہذا گناہ کر لیتے ہیں اللہ تو الغفور الرحیم ہے۔

میرے بھائیو! اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان عمدا گناہ کرے

اوراس گمان میں جیتارہے کہ اللہ تو معاف کر دیگا ہر گز نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان حتی المقدور محظورات سے بچنے کی کوشش کرے اللہ کے احکامات کو بجا لانے کی پوری محنت کرے اوامر و نواہی کا خیال رکھے اس کے بعد اگر اس سے بحیثیت بشر کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو وہ اللہ سے مغفرت طلب کرے وہ اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ توبہ و استغفار اک محبوب اور اچھی صفت ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے اور اسے ہمیں ہماری زندگی میں لانے کی اشد ضرورت ہے اسی طرح توبة النصوح (سچی توبہ) کے لیے کچھ شروط بھی ہیں جن کا پاس و لحاظ رکھنا بہت ہی ضروری ہے اگر انسان ان شروط کی رعایت کرتے ہوئے اللہ رب العالمین سے توبہ و استغفار کرتا ہے تو ضرور بالضرور اللہ رب العزت اسکی مغفرت فرمائے گا مندرجہ ذیل سطور میں انہیں شروط کا ذکر کیا جا رہا ہے

(1) اعتراف جرم اور اپنے کیئے پر نادم ہونا.

(2) گناہ سے فی الفور باز آجانا۔

(3) آئندہ اس گناہ کی طرف نالوٹنے کا پختہ عہد کرنا۔

چنانچہ اگر توبہ کی شرطیں پوری ہو جائیں اور توبہ کرنے والا اپنی توبہ میں مخلص ہو تو ایسے شخص کی مغفرت واجبی ہو گی اور اگر مذکورہ باتوں میں سے ایک بھی کم ہو تو توبہ نامکمل رہے گا۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز محرمات و منہیات سے ہماری حفاظت فرمائے آمین!

فضائل رمضان

ثمامہ خاتون مطیع اللہ توحیدی
طالبہ کلیہ شریعہ جامعہ نجران

ماہ رمضان کی آمد آمد ہے، یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس کا انتظار بندہ مومن سال بھر کرتا ہے، کیونکہ یہ نزول قرآن، نیکی، برکت، بخشش، عبادت، عنایت، توفیق، زہد، تقوی، مجاہدہ، خاکساری، غمگساری، مساوات، صدقہ و خیرات، اعتکاف، تراویح، شب قدر، جنت کی بشارت اور جہنم سے نجات کا مہینہ ہے۔

اسی بابرکت مہینے اور اس کے صیام کے تعلق سے چند فضائل و فوائد ذکر کیے جا رہے ہیں،

(1) رمضان تقوی کا مہینہ ہے۔

جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون {البقرة:183}

ترجمہ: اے ایمان والو: تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، شاید کہ تم لوگ پرہیزگار بن جاؤ۔

(2) رمضان قرآن اور ہدایت کا مہینہ ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ [البقرة:185]

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی، حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں

(3)روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔

الصیامُ جُنَّةٌ من النارِ.(نسائ:2230)ترجمہ:روزہ جہنم سے ڈھال ہے

(4)روزے کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ: مجھے کسی ایسے کام کا حکم دیجیے جسے میں انجام دے لے جاؤں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: علیكَ بالصوْمِ؛ فإِنَّهُ لَا مثلَ لَهُ (نسائ: 2220)

ترجمہ: تم روزہ رکھو، اس لیے کہ روزہ کے برابر کوئی عمل نہیں ہے

(5)روزہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

جیسا کہ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا:مَن صامَ رمضانَ إيمانًا واحتسابًا، غُفِرَ له ما تقدَّمَ مِن ذَنبِه(بخاری:38, مسلم:760)

ترجمہ: جس نے رمضان کا روزہ ایمان اور احتساب (ثواب کے حصول کی نیت) کے ساتھ رکھا اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیے گئے۔

(6)روزہ اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔

جیسا کہ مشہور حدیث ہے: بُنِيَ الإسْلَامُ علَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أنْ لا إلَهَ إلَّا اللَّهُ وأنَّ مُحَمَّدًا رَسولُ اللَّهِ، وإقَامِ الصَّلَاةِ، وإيتَاءِ الزَّكَاةِ، والحَجِّ، وصَوْمِ رَمَضَانَ. (بخاری:8، مسلم:16)

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے،

کلمہ شہادت۔

نماز کو قائم کرنا۔

زکاۃ ادا کرنا۔

حج۔

رمضان کے روزے رکھنا۔

(7)روزے کا اجر اور بدلہ خود اللہ جل شانہ دے گا۔

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ له إلَّا الصَّوْمَ، فإنَّه لي وأنا أجْزِي به (بخاری:5927، مسلم:1151)

ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزہ کے، کیونکہ (روزہ) صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

(8)روزہ دار کے منھ کی بو کستوری سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

جیسا کہ پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے:والذي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بيَدِهِ، لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِن رِيحِ المِسْكِ.(مسلم:1151)

ترجمہ:اس ذات کی قسم!جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے،روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔

(9)رمضان گناہوں کے خاتمے کا مہینہ ہے۔

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: عن أبي هُريرةَ رَضِيَ اللهُ عنه أنَّ رَسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم قال:الصَّلَواتُ الخَمسُ، والجُمُعةُ إلى الجُمُعةِ، ورمضانُ إلى رَمَضانَ؛ مُكَفِّراتٌ ما بينهُنَّ إذا اجتَنَبَ الكبائِرَ (مسلم:233)

ترجمہ: پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان گناہوں کا جو درمیانی اوقات میں سرزد ہو گئی ہوں ان کا کفارہ ہے،بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا گیا ہو۔

(10)روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إذَا أفْطَرَ فَرِحَ، وإذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بصَوْمِهِ. (مسلم:1151)

ترجمہ:روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جس کے زریعہ وہ خوش ہوتا ہے:ایک جب روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا،

(11)روزہ دار کے لیے جنت میں ایک خاص دروازہ ہے۔

إنَّ في الجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ له: الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ منه الصَّائِمُونَ يَومَ القِيَامَةِ، لا يَدْخُلُ منه أحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ، لا يَدْخُلُ منه أحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ منه أحَدٌ. (بخاری:1896)

ترجمہ: جنت میں ایک (خاص) دروازہ ہے جسے "ریان" کہا جاتا ہے، قیامت کے دن اس سے روزہ دار داخل ہوں گے، ان کے علاوہ اس سے کوئی داخل نہ ہو گا، کہا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہوں گے، جب روزہ دار داخل ہو جائیں گے تو اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا پھر کوئی اس سے داخل نہ ہو گا۔

(12)روزہ دخول جنت کے اسباب میں سے ہے۔

عن جابرٍ رَضِيَ اللهُ عنه أنَّ رَجُلًا سأل رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم، فقال: يا رَسولَ اللهِ، أرأيتَ إذا صَلَّيتُ المكتوباتِ، وصُمْتُ رمضانَ، وأحلَلْتُ الحلالَ، وحَرَّمْتُ الحرامَ، ولم أزِدْ على ذلك شيئًا، أأدخُلُ الجَنَّةَ؟ فقال النبيُّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم: نَعَم. (مسلم:15)

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے پیارے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا کیا خیال ہے کہ میں فرض نمازوں کو ادا کروں، رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال سمجھوں اور حرام کو حرام سمجھوں، اور اس پر کچھ بھی زیادہ نہ کروں، تو کیا میں جنت میں داخل

ہو جاؤں گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں!۔

(13)ماہ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إذا جاء رمضانُ فُتِّحَت أبوابُ الجنَّة، وغُلِّقَت أبوابُ النَّارِ، وصُفِّدَت الشَّياطينُ(بخاری:3277، مسلم:1079)

جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور سر کش شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

(14)رمضان میں عمرہ کا ثواب۔

جیسا کہ ایک لمبی روایت میں ہے کہ : عُمرةً في رمضانَ تَقضي حَجَّةً معي. (بخاری:1863، مسلم:1256)

ترجمہ: رمضان میں عمرہ (کا ثواب) پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

اخیر میں اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ اے بار الہہ! تو ہم تمام مسلمانوں کو رمضان اور اس کے روزوں کے فضائل وفوائد حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما، اور اس مقدس مہینہ میں ہر قسم کی نیکیوں کو کرنے اور ہر قسم کے شر سے دور رہنے کی توفیق عطا فرما! آمین یارب!

دینی جلسوں میں منفیات کے اسباب

محمد سعود مقصود انصاری

متعلم جامعہ نجران

علماء کرام معاشرے کی اصلاح کے لیے ہر دور میں الگ الگ طریقے اختیار کرتے رہے ہیں، دعوت کا ایک مسنون اور ماثور طریقہ لوگوں کے ایک گروہ کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنی باتیں رکھنا بھی ہے، دور حاضر میں اسی کو جلسہ، اجتماع یا کانفرنس کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس بات سے انکار نہیں کہ جلسوں کا معاشرے کی اصلاح میں بہت ہی اہم کردار رہاہے، لوگوں کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم پر لانے کا ان جلسوں کے توسط سے جو کارنامہ انجام پایاہے اسے بھلایا نہیں جا سکتا ہے، ہمارے علماء نے اس کے ذریعے سے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جن سے ہماری دعوتی تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر عمل اور ہر کوشش کا محاسبہ کرتے رہنا، جائزہ لیتے رہنا، اور نفع و نقصان کے تناسب پر نظر رکھنا زندہ قوموں کا شعار ہوتا ہے، چاہے وہ درس و تدریس کا ہو یا وعظ وارشاد کا، نظر ثانی اور احتساب سے اس میں تازگی اور نشاط آتی ہے، مراجعہ اور جائزہ سے ہی اس میں بہتری کے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

اور یہ بات بھی سچ ہے کہ علماء کرام نے ناصرف دینی جلسوں کے تعلق سے جائزہ لیتے رہے ہیں، بلکہ اسے اپنی تقریر و تحریر کا موضوع بھی بناتے رہے ہیں۔ دینی جلسوں اور دعوتی کانفرنسوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے جو امت کی بیداری اور فرض شناسی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

عام مسلمان ایسے اجتماعات اور جلسوں کا اہتمام کرتے ہیں، یہ ایک خوش آئند بات ہے، اور یقیناً معاشرہ پر اس کا اچھا اثر پڑتا ہے، لیکن اس کے بہت سارے منفی اثرات بھی معاشرے میں مرتب ہو رہے ہیں جن سے قطع نظری یقینا سلبیات میں اضافے کا سبب بنتا جارہا ہے، لہذا ان کا سدباب نہایت ہی ضروری ہے ورنہ وہ دن دور نہیں کہ یہ جلسے بھی میلے کی شکل اختیار کرلے اس تحریر میں ہم نے انہیں اسباب پر بات کی ہے جو سلبیات میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں۔

فضول خرچی؛

آج زیادہ تر جلسوں میں اسراف اور فضول خرچی حد سے زیادہ گذرتی دکھائی دے رہی ہے، ضرورت سے زیادہ روشنی، قمقمے، پھول، پتی، استقبالیہ گیٹ، اورڈائنکس کا ڈیکوریشن جیسے اشیاء قابل ذکر ہیں۔ حالانکہ دین کی بات پہنچانے کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو استنجاء، وضوءاور غسل میں بھی ضرورت سے زیادہ پانی کے استعمال کو ناپسند فرمایا ہے۔ قرآن وحدیث میں بکثرت ایسے دلائل موجود ہیں جن میں فضول خرچی کی مذمت بیان کی

گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (سورهة الفرقان:67)

ترجمہ: اور جو خرچ کرتے وقت بھی اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ(الإسراء: ٢٧)

ترجمہ: بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا قِيلَ وَقَالَ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ[بخاری:1477]

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین باتیں پسند نہیں کرتا۔ بلاوجہ کی گپ شپ، فضول خرچی، لوگوں سے بہت مانگنا۔ صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث ہے: إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللَّهِ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ القِيَامَةِ [بخاری:3118]

ترجمہ: کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال کو بے جا اڑاتے ہیں انہیں قیامت کے دن آگ ملے گی۔

بے جالاؤڈاسپیکراورڈی جے، باکس کا استعمال:

یوپی، بہار، جھارکھنڈ اور بنگال جیسے صوبوں میں اکثر جلسوں کا حال یہ ہوتا

ہے کہ بڑے بڑے لاؤڈ اسپیکر لگا کر آواز کو بلا وجہ بلند اور دور تک پہچانے کی سعی کی جاتی ہے جو عام لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث بنتے ہیں، اس سے بچنا چاہیے اور بالخصوص جگہ جگہ جو غیر مسلم آباد ہوتے ہیں ان کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کیوں کہ کسی کو تکلیف دینا مسلمانوں کا شعار ہر گز نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کی تلاوت سے بڑھ کر دنیا میں اور کون سا لذت بخش ذکر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ نماز میں نہ بہت زور سے تلاوت کیا کریں اور نہ بہت پست آواز میں کہ شرکاء نماز بھی نہ سن سکیں؛ بلکہ آواز کو معتدل رکھیں۔ فرمان الٰہی ہے: وَلَا تجھرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تخَافِتْ بِھا وَابْتَغِ بَینَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا (الاسراء :110)

ترجمہ: نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے۔

جھوٹی کہانیاں سنانا:

بد قسمتی سے جلسوں میں ایسے بہت سارے مقررین مدعو کیے جاتے ہیں جو غیر معتبر روایات کو نقل کر کے محفل لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس سے قطع نظر کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی کتنی سخت وعید سنائی گئی ہے بس غیر ثابت قصے کہانیاں سنا کر گھنٹے پورے کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ کَذَبَ عَلَيَّ مُتعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہُ مِنْ النَّارِ

ترجمہ: جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے! (صحیح بخاری:3461)

ان غیر مستند روایات کو نقل کرنے کا ایک مقصد تقریر میں رنگ پیدا کرنا بھی ہوتا ہے۔ یاد رکھیں! جب تک کسی بات کے صحیح و معتبر ہونے کی تحقیق نہ ہو جائے، اس کو نقل کرنا بھی جھوٹ میں داخل ہے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ((کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع)) آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اُس کو بلا تحقیق نقل کر دے (صحیح مسلم:5) اسی طرح بعض مقررین کا خطاب لطائف کا مجموعہ ہوتا ہے، وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہنسنے ہنسانے کے لیے چٹکلے سناتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لے، رسول ﷺ فرماتے ہیں: وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ, لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ (سنن ابی داؤد :4990)

ترجمہ: ہلاکت ہے اس کے لیے جو اس غرض سے جھوٹ بولے کہ اس سے لوگ ہنسیں۔ ہلاکت ہے اس کے لیے۔ ہلاکت ہے اس کے لیے۔ یہ سب دین سے کھلواڑ کے طریقے ہیں جنھیں آج دھڑلے سے اپنائے جا رہے ہیں ان تقریروں کا سامعین پر کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے ذہنوں میں غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

دیر تک جلسہ جاری رکھنا؛

پوری پوری رات تک جلسے کرائے جانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں نمازیوں سے صفیں خالی رہتی ہیں، بلکہ حال یہ ہوتا ہے کہ مرد وزن کے اختلاط کی وجہ سے اندھیری شب میں برائیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جو کہ نہایت ہی افسوسناک ہے۔

مزید یہ کہ گھنٹوں گھنٹوں تک تقریر جاری رکھنے کے لیے بعض مقررین ضعیف اور موضوع روایات کو بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے ہیں کیوں کہ اصل میں انہیں وقت پورا کرنا رہتا ہے۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ وعظ کو دیکھا جائے تو بالکل اس کے برعکس نظر آتا ہے، آپ ﷺ بالکل مختصر وقت میں جامع نصیحت فرماتے تھے، اور سامعین کی نشاط اور دلچسپی کا ضرور خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الأَيَّامِ، كَرَاهِيَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا [بخاری:6411]

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقررہ دنوں میں ہم کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ (فاصلہ دے کر) آپ کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔ آپ کے صحابہ بھی آپ کی اسی سنت پر عمل پیرا تھے۔

خلاصہ؛ حاصل یہ ہے کہ جلسے اور اجتماعات دعوت واصلاح کے مؤثر ذرائع ہیں، یہ انبیاء کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؛ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ان کو منعقد کرنے میں شریعت کی حدود اور دین کے مزاج کو پیش نظر رکھا

جائے، یہ دوسرے کے لئے تکلیف دہ نہ ہو، زور زبردستی نہ ہو، غیر شرعی طریقے پر ایسی چیزوں کا استعمال نہ کیا جائے، جن کے ہم مالک نہیں ہیں، یہ جلسے صرف کان کی لذت کا سامان نہ ہوں؛ بلکہ ان کے ذریعہ امت کو صحیح معنوں میں پیغام ملے۔

ان جلسوں سے ہمارا اصل مقصد یہی ہونا چاہیے کہ ہم اپنے سامعین تک قرآن وحدیث کا صحیح پیغام پہنچائیں، نہ کہ ہم جوش وجذبہ میں آکر اغیار کے طریقوں کی پیروی کرنے لگ جائیں۔ جب تک ہم نبوی طریقہ کو آئیڈیل نہیں بنائیں گے یہ جلسے جلوس مؤثر ثابت نہیں ہوسکتے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دینی جلسوں میں ہونے والے سلبیات پر نظر رکھیں تا کہ ہمارے جلسے کامیاب ہوسکے اور ہم مقصد اصلی تک پہنچ سکیں!

اللہ ہمیں کتاب وسنت کے طریقے پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ا

نکاح سے پہلے منگیتر کو دیکھنے کی شرعی حیثیت اور سماجی اہمیت

محمد جریج شریف احمد

انسان جب اوائل بلوغت کی منزلیں طے کر کے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو وہ فطری، معاشرتی، اخلاقی، دینی اور روحانی ہر لحاظ سے نکاح کا محتاج ہوتا ہے، کیونکہ انسان روحانی و نفسیاتی طور پر لذت و سکون کا طلبگار اور خواہش مند رہتا ہے۔ اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے جنس مخالف میں اس کے لیے ایسی ناز و کشش کی کیفیت پیدا کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے ہر انسان اپنے لیے مناسب شریک حیات کی تلاش کرتا ہے تاکہ تسکین قلب حاصل کر سکے۔ فطری طور پر بھی انسان میں شہوت کا جذبہ پایا جاتا ہے، جب انسان بلوغت کی حد کو پہنچتا ہے تو یہ جذبہ از خود بھڑکنے لگتا ہے، پھر اسے بطور علاج جنس مخالف کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے جنسی تسکین کے لیے عورت کے جوڑے بنا کر نا صرف نکاح کرنے کی اجازت دی بلکہ بعض حالات میں اسے واجب اور ضروری بھی قرار دے کر زنا کے مکروہ اور فسادی طریقۂ کار کو یکسر مسترد کر دیا۔ نکاح سنتِ انبیاء ہے، جس کے

ذریعے معاشرتی استحکام اور پاکیزگی کا نظام قائم ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں رسولوں کے ازدواجی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً(الرعد : 38)

ترجمہ: ہم آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا۔ شادی ایک حسین رشتہ ہے جو دو دلوں کو جوڑ کر محبت، قربانی اور اعتماد کی بنیاد پر ایک خوشگوار زندگی کی راہ ہموار کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے متعدد مقامات پر نکاح کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (النور:32)

تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی اگر وہ فقیر و مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنادے گا۔ اللہ تعالی کشادگی والا اور علم والا ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے نوجوانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر اور اس کی خواہشات کو جائز طریقہ سے حاصل کرنے کے لیے ان سے خطاب کیا اور وصیت فرمائی: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ منكم الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ" (بخاری، حدیث نمبر:5066۔ مسلم، حدیث نمبر:1400)

اے گروہِ شباب تم میں سے جو نان و نفقہ یعنی خرچہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو شادی کرلے کیونکہ وہ آنکھوں کی زیادہ حفاظت کرنے والا اور شرم گاہ کی پاکی کی ضمانت ہے اور جو طاقت نہ رکھتا ہو پس وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لیے ڈھال ہے۔

قارئین کرام! اسلام میں نکاح ایک اہم بندھن ہے، یہ ایک طویل مدتی تعلق ہے، اس لیے بہتر ہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگائیں کہ آیا وہ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے مواقع پر خاندانوں کے دباؤ میں رشتے طے ہو جاتے ہیں، اگر منگیتر کو دیکھنے کا موقع دیا جائے تو دونوں فریق خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ وہ اس رشتے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہیں یا نہیں۔ چنانچہ شریعت نے مرد اور عورت کو نکاح سے پہلے دیکھنے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ بہتر فیصلہ کرسکیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے، تو اگر وہ اس چیز کو دیکھ سکتا ہو جو اسے نکاح کی ترغیب دے، تو وہ ایسا کرے۔"(صحیح مسلم:1424)

مرد عورت کے بارے میں دو طرح سے معلوم کرکے اسے پسند یا ناپسند کرسکتا ہے ایک تو کسی کے ذریعہ اسکے دین، اخلاق اور حسن و جمال کے متعلق پتا کرے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے شادی کرنے کا فیصلہ

کیا تو کسی عورت کو اسے دیکھنے کے لیے بھیجا جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:"أن النبي صلى الله عليه وسلم أراد أن يتزوج امرأة، فبعث امرأة لتنظر إليها، فقال: شُمِّي عوارضها، وانظري إلى عُرقوبها "

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے شادی کرنا چاہی تو ایک دوسری عورت کو اسے دیکھنے کے لیے بھیجا اور اس سے کہا: کہ اس کے اگلے دانت سونگھنا اور اس کی ایڑیوں کے اوپر والے حصہ کو دیکھنا "اس حدیث کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ مسلم کی شرط پر ہے اور امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔

مستدرک الحاکم (2 / 166) سنن البیھقی (7 / 87) اور مجمع الزاوئد (4 / 507) میں کہا ہے کہ اسے احمد اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کے رجال ثقات ہیں۔ دیکھیں: السلسلۃ الصحیحۃ (1 / 157)

اکثر لوگ سننے اور دیکھنے میں فرق محسوس کرتے ہیں، چنانچہ اگر لڑکا خود دیکھ لے تو وہ کسی بھی ممکنہ غلط فہمی یا توقعات کے تضاد سے بچ سکتا ہے، اسی لیے شریعت نے ایک دوسرا طریقہ بتایا کہ انسان خود جا کر اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لے، ویسے تو شریعت مطہرہ نے اجنبی عورتوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے خصوصا جب دونوں اصناف جوانی کے مرحلے پر قدم رکھ چکے ہوں اور غلبہ شہوت کی وجہ سے بدکاری وغیرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو، لیکن کچھ حالات میں ضرورت اور حاجت

عظیمہ کی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے اجنبی عورت کو دیکھنے کی اجازت دی ہے ۔انہیں میں سے منگنی کرنے والے مرد کا اپنی منگیتر کو دیکھنا بھی شامل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ہی مرد اور عورت دونوں کی زندگی کا ایک نازک اور اہم فیصلہ شادی کی صورت میں ہوتا ہے، یہیں سے وہ دونوں اپنی زندگی کا سفر شروع کرتے ہیں، شریعت نے اس اجازت کو حکمت اور مصلحت کے تحت دیا ہے تاکہ شادی جیسے اہم فیصلے میں دھوکہ،غلط فہمی یابعد میں پشیمانی کا سامنانہ کرنا پڑے۔

قارئین کرام: نکاح صرف ایک وقتی معاہدہ نہیں بلکہ عمر بھر کا ساتھ ہے، اس لیے فریقین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کریں اور ظاہری وباطنی طور پر مطمئن ہوں،چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو حکم دیا کہ منگیتر کو دیکھ لیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"انْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا" (ترمذی: 1087)"اسے دیکھ لو، کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت اور موافقت پیدا ہونے کا زیادہ باعث بنے گا۔" (یہ حدیث ترمذی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے (کتاب النکاح، باب: مخطوبہ کو دیکھنے کا بیان، حدیث نمبر: 1087)علامہ البانی نے اس حدیث کو "صحیح ترمذی" میں صحیح کہا ہے (جلد 1، صفحہ 272)ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں:عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ

تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟"قَالَ: لَا. قَالَ: "فَاذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا."

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے بتایا کہ اس نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: "کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"اس نے کہا: "نہیں۔" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ اور اسے دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں (ایک خاص) چیز ہوتی ہے۔"(صحیح مسلم، حدیث:1424)

ایک واقعہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی منگیتر کو چھپ کر دیکھا تاکہ نکاح سے پہلے پسندیدگی کا اندازہ لگا سکیں۔عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ"خَطَبْتُ جَارِيَةً، فَكُنْتُ أَتَخَبَّأُ لَهَا حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى بَعْضِهَا الَّذِي دَعَانِي إِلَى نِكَاحِهَا، فَتَزَوَّجْتُهَا."

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"میں نے ایک لڑکی سے منگنی کی، تو میں اسے (دور سے) دیکھنے کے لیے چھپ جایا کرتا تھا، یہاں تک کہ میں نے اس میں وہ چیز دیکھی جس نے مجھے نکاح کی رغبت دلائی، تو میں نے اس سے شادی کر لی اس حدیث کو ابو داود نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے (کتاب النکاح، باب: مرد کا عورت کو دیکھنا جب وہ نکاح کا ارادہ کرے، حدیث نمبر:2082)۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو" صحیح ابو داود"میں صحیح قرار دیا ہے(حدیث نمبر:1832)۔

یہ تمام احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ نکاح سے پہلے منگیتر کو دیکھنا جائزاور مستحب ہے، تا کہ بعد میں ناپسندیدگی اور غلط فہمیوں سے بچا جا سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ اپنی منگیتر کو دیکھیں، کیونکہ اس سے محبت اور موافقت بڑھتی ہے اور ازدواجی زندگی خوشگوار رہتی ہے، اگر نکاح سے پہلے دیکھنے اور پسند کرنے کا موقع نہ دیا جائے، تو ازدواجی زندگی میں ناپسندیدگی یا عدم مطابقت کے باعث رشتے کمزور ہو سکتے ہیں۔ اس اجازت کا مقصد نہ صرف ازدواجی تعلق کو مضبوط بنانا ہے بلکہ فطری جذبات اور ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک خوشگوار اور پائیدار رشتہ قائم کرنا بھی ہے۔

علمائے کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں منگیتر کو دیکھنے کو مستحب قرار دیا ہے، تا کہ نکاح کے بعد ناپسندیدگی، طلاق یا دیگر مسائل سے بچا جا سکے۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ "شرح صحیح مسلم" میں فرماتے ہیں:"وَفِي هَذِهِ الْأَحَادِيثِ دَلِيلٌ عَلَى اسْتِحْبَابِ النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ، وَهَذَا مَجْمُوعٌ عَلَيْهِ، وَأَنَّهُ يُؤْمَرُ بِذَلِكَ لِيَكُونَ عَلَى بَصِيرَةٍ مِنْ أَمْرِهِ."

ترجمہ:"یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ منگیتر کو دیکھنا مستحب ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ (دیکھنے کی) اجازت دی جاتی ہے تا کہ نکاح کے فیصلے میں بصیرت حاصل ہو۔" (شرح صحیح مسلم، جلد 9، صفحہ 210 ط دار الکتب العلمیہ، بیروت) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"وَالنَّظَرُ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ سُنَّةٌ

مُسْتَحَبَّةٌ بِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ.

"ترجمہ: "منگیتر کو دیکھنا سنت مستحبہ ہے، اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔" (مجموع الفتاویٰ، جلد32، صفحہ282ط. دارالوفاء، مصر)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"أُحِبُّ لَهُ أَنْ يَرَاهَا قَبْلَ أَنْ يَتزَوَّجَهَا، لِيَكُونَ النِّكَاحُ عَلَى بَصِيرَةٍ.

"ترجمہ:"میں پسند کرتا ہوں کہ (مرد) نکاح سے پہلے اپنی منگیتر کو دیکھے تاکہ نکاح پوری بصیرت کے ساتھ ہو۔" (کتاب الأم، جلد5، صفحہ8ط. دارالمعرفہ، بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا مرد اپنی منگیتر کو دیکھ سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:"لَا بَأْسَ بِذَلِكَ إِذَا كَانَ بِقَصْدِ النِّكَاحِ وَبِلَا خَلْوَةٍ.

"ترجمہ:"اگر نکاح کی نیت سے ہو اور تنہائی میں نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔" (المدَوَّنة، جلد2، صفحہ 220ط۔ دار الکتب العلمیه) مشہور معاصر فقیہ شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"النظر إلى المخطوبة مشروع، وهو من محاسن الإسلام، لأنه أدعى إلى القبول، وأبعد عن الندم بعد الزواج.

ترجمہ:"منگیتر کو دیکھنا مشروع (جائز) ہے، اور یہ اسلام کی خوبصورتیوں میں سے ہے، کیونکہ یہ (مرد و عورت کے) نکاح پر راضی ہونے کا ذریعہ بنتا ہے اور شادی کے بعد پچھتاوے سے بچاتا ہے۔" (فتاویٰ نور علی الدرب، جلد10، صفحہ20ط. مکتبۃ التوحید، ریاض)

مندرجہ بالا اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام فقہاء اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح سے پہلے منگیتر کو دیکھنا جائز، مستحب اور بعض صورتوں میں ضروری بھی ہے، لہذا منگیتر کو دیکھنے کی اجازت دینا ایک دانشمندانہ اور شرعی فیصلہ ہے، جو دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور بہتر فیصلہ کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ عمل نا صرف شرعی اصولوں کے مطابق ہے بلکہ عملی زندگی میں بھی بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ البتہ ایک اہم بات جسے ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ شریعت نے منگیتر کو صرف دیکھنے کی اجازت دی ہے نا کہ ان کے ساتھ گھومنے یا بغیر ضرورت بات کرنے کی، بعض لوگ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور مغربی ثقافت سے متاثر ہو کر اپنے بچوں کو آلۂ تواصل فراہم کرا دیتے ہیں جسکے بعد شب و روز وہ اس قدر گفت و شنید کرنے لگتے ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا یہ شادی شدہ ہیں یا منگیتر! یہاں تک کہ کی بعض مقامات پر باقاعدہ آزادانہ میل جول اور ملاقاتوں کی اجازت دی جاتی ہے، جو اسلامی حدود کے بالکل خلاف ہے، یہ تعلق اکثر جسمانی حدود کی خلاف ورزی کی طرف بھی لے جا سکتا ہے، جس کا نتیجہ پریشانی اور گناہ ہوتا ہے، عین ممکن ہے کہ ابتدا میں عام بات چیت بے ضرر لگتی ہو، لیکن اکثر یہ غیر شرعی تعلقات کی طرف لے جاتی ہے، جسکی وجہ سے بعد میں دھوکہ، جذباتی استحصال، اور دھمکیوں جیسے مسائل ہوتے ہیں اسلام ایک متوازن اور عملی مذہب ہے، جو نہ تو غیر ضروری سختی کا قائل ہے اور نہ ہی بے راہ روی کی اجازت دیتا ہے۔ منگیتر کو دیکھنے

کی اجازت محبت، ہم آہنگی اور ازدواجی زندگی کے استحکام کے لیے دی گئی ہے، لہذا والدین کو یہ سمجھنا چاہیے کہ منگیتر کو دیکھنے کی اجازت دینا شرعی اور عقلی دونوں لحاظ سے فائدہ مند ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت بھی ہے اور ازدواجی زندگی میں خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لیے ضروری بھی ہے، اس لیے روایات یا غیر اسلامی رسم و رواج کو چھوڑ کر دین کی تعلیمات کو اپنانا چاہیے تاکہ شادی کے بعد دونوں فریق خوش و مطمئن رہیں، البتہ منگیتر کو دیکھتے وقت حدود کی پاسداری کی جائے، بار بار انکو دیکھنے سے اجتناب کیا جائے، فون یا سوشل میڈیا پر بات چیت سے گریز کرنی چاہیے، سب سے اہم چیز لڑکی کو بھی دیکھنے کا حق ملنا چاہیے تاکہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں اور تمام شکوک و شبہات سے خود کو بچائے رکھیں اللہ ہمیں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے!

آمین!

کفر اور تکفیر کا مسئلہ

کاشف قریشی

کفر اور تکفیر کا مسئلہ اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سے ایک نازک اور اہم موضوع رہا ہے۔اس پر بے احتیاطی سے بات کرنا امت میں اختلاف، تفرقہ اور فتنے کا سبب بن سکتا ہے۔اسی لیے ضروری ہے کہ ہم اس مسئلے کو قرآن وسنت، صحابہ کرام کے فہم اور اہلِ علم کی وضاحت کی روشنی میں سمجھیں تا کہ دین کے اس نازک باب میں اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔

کفر کی تعریف: کفر ایمان کی ضد ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وأصْلُ الكُفْرِ في اللُّغَةِ: السَّتْرُ والتَّغْطِيَةُ"یعنی کفر کا لغوی معنی ہے "ڈھانپنا" یا "چھپانا"۔ جیسے شاعر نے کہا:"فِي لَيْلَةٍ كَفَرَ النُّجُومَ غَمامُها" (رات کے بادلوں نے ستاروں کو ڈھانپ لیا)اسی لیے کسان کو بھی عربی زبان میں "کافر" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دانے کو زمین میں چھپاتا ہے۔ قرآن میں آیا ہے:"أعجب الكفار نباته" (کھیتی کسانوں کو خوش کر دیتی ہے)شریعت میں کفر کی تعریف ایمان کے مقابل میں کی جاتی ہے، یعنی جو چیز ایمان کی ضد ہو، چاہے وہ قول، فعل یا اعتقاد کی صورت میں ہو۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"الكفر هو عدم الإيمان، باتفاق

المسلمين، سواء اعتقد نقيضه وتكلم به أو لم يعتقد شيئًا ولم يتكلم به"(کفر ایمان کی عدم موجودگی کا نام ہے، چاہے انسان ایمان کے نقیض کو اختیار کرے یا نہ کرے)(مجموع الفتاوی)

اصنافِ کفار:۔شرعی اعتبار سے کفار کی دو قسمیں ہیں

1. کفار اصلی: ایسے کفار جو دین اسلام میں اصلاً داخل ہی نہیں ہوئے، یا آبائی دین کی وجہ سے کافر ہی رہے۔ جیسے مشرکین، مجوس، وثنیین، اہل کتاب میں سے یہود ونصاریٰ،اسی طرح دیگر کافر قومیں، یہ ساری قومیں قطعاً وحتماً کافر ہیں۔ اس کا ثبوت کتاب و سنت اور اجماع سے ملتا ہے اور اس طرح کے کافروں کو دعوتِ اسلام دینا مسلمانوں پر واجب ہے یہاں تک کی اسلام قبول کرلیں۔

2۔ مرتدین: وہ شخص جو اپنے آپ کو اسلام سے وابستہ تو کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا قول، عمل یا عقیدہ اختیار کرتے ہیں جو ان کے ایمان کے خلاف ہو ایسے لوگ بھی کافر شمار کئے جائیں گے۔اللہ تعالی نے فرمایا:{وَمَن يَرۡتَدِدۡ مِنكُمۡ عَن دِينِهِۦ فَيَمُتۡ وَهُوَ كَافِرٞ فَأُوْلَٰٓئِكَ حَبِطَتۡ أَعۡمَٰلُهُمۡ فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ} ترجمہ:"اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے، پھر اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہو، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے، اور یہی لوگ جہنم کے باشندے ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔" (سورة البقرة، 217)یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مرتدین کے لئے نہ

صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی اعمال کا کوئی فائدہ نہیں، اور انہیں دائمی عذاب کی سزا ملے گی۔

قارئین کرام: کفر کا ذکر جب بھی نصوصِ شرعیہ میں آتا ہے تو کبھی اس سے کفر اکبر اور کبھی کفر اصغر مراد لیا جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان دونوں اقسام کو اچھی طرح سمجھیں، تاکہ ایمان کی حفاظت کر سکیں اور کفر کی ہر شکل سے بچنے میں کامیاب ہو جائیں۔ کفر کی دو بنیادی قسمیں:

(1) **کفر اکبر:** کفرِ اکبر ایمان کی مکمل نفی کرتا ہے، اور اس کا مرتکب دینِ اسلام سے مکمل طور پر خارج ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے سزا کے طور پر ابدی جہنم کا عذاب مقدر ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن شفاعت سے بھی محروم ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ توبہ کر کے اللہ رب العزت کی طرف رجوع نہیں کرتا، کفر اکبر کا ارتکاب قول، فعل، اعتقاد، شک، ریب، اعراض، ترک، یا تکبر کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ اسی لیے کفر کی تقسیم اس کے اسباب کے مطابق کی جاتی ہے۔

(2) **کفر اصغر:** کفر اصغر وہ کفر ہے جو اسلام سے خارج تو نہیں کرتا اور نہ ہی ایمان کے بنیادی اصولوں کا مکمل انکار ہے، مگر یہ ایمان کو کمزور اور داغدار ضرور کرتا ہے، علماء کے نزدیک اسے " کفر دون کفر" یعنی چھوٹا کفر کہا جاتا ہے، جو کفرِ حقیقی نہیں ہے۔ اس کے مرتکب شخص کا گناہ اللہ کے غضب کا باعث بن سکتا ہے، اور شریعت نے ان گناہوں کے بارے میں سخت تنبیہ کی ہے۔ تاہم کفر اصغر کے

مرتکب شخص پر خلود فی النار (ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا) واجب نہیں ہوتا، بلکہ قیامت کے دن وہ شفاعت کا مستحق ہو سکتا ہے، کفر اصغر کے ارتکاب کی کثرت کبھی کبھی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ یہ کفر اکبر کا باعث بن سکتی ہے، اس لیے ان اعمال سے اجتناب ضروری ہے تاکہ انسان ان سے بچا رہے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھے۔

قارئین کرام: آج کل کسی فرقے یا شخصیت پر کفر کا فتویٰ لگانا بہت ہی آسان ہو گیا ہے، اور کسی کو کافر کہنا تقریباً کھیل جیسا بن چکا ہے۔ لیکن یہ بات جاننا ضروری ہے کہ کسی کو کافر کہنا ایک بہت ہی حساس شرعی مسئلہ ہے۔ کافر وہ شخص ہے جسے اللہ اور رسول نے کافر قرار دیا ہو، اس معاملے میں صرف اور صرف اللہ تعالی کا حق ہے، کسی اور کا نہیں۔

ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا شرعی حکم میں سے ہے اور یہ فتویٰ اس کے خون کو حلال کرنے اور اس کے خلود فی النار (دائمی جہنم) ہونے پر صادر کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا فیصلہ صرف شرعی نصوص یا ان پر قیاس سے کیا جائے گا، نہ کہ عقلی دلائل سے۔" (المنقذ من الضلال) ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تکفیر ایک شرعی حکم ہے، اور یہ حکم صرف صاحب شریعہ سے لیا جائے گا نہ کہ عقل کی بنیاد پر۔ اسی لیے اهل السنه والجماعة اپنے مخالفین کو کبھی کافر نہیں ٹھہراتے چاہے وہ اپنے کفر پر ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ کفر ایک شرعی حکم

ہے، اور اس معاملے میں انسان کے لیے یہ گنجائش نہیں کہ وہ اپنے مخالف کے ساتھ وہی سلوک کرے جو اس کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ جیسے اگر کوئی آپ پر جھوٹ بولے تو آپ کو یہ حق نہیں کہ آپ بھی اس پر جھوٹ بولیں، یا اگر کوئی آپ کے اہل کے ساتھ زنا کرے تو آپ بھی اس کے اہل کے ساتھ ایسا کریں، کیونکہ جھوٹ اور زنا اللہ کے ہاں ممنوع ہیں۔ اسی طرح تکفیر کا حق بھی صرف اللہ کا ہے، اور کسی کو کافر نہیں کہا جائے گا جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول اسے کافر نہ ٹھہرائیں۔ (مجموع الفتاوی)

اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا عیب: اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دینے میں مشغول رہتے ہیں اور اس معاملے میں کوئی جھجھک یا توقف نہیں کرتے۔ جبکہ اہل علم کے نزدیک یہ اصول ہے کہ لوگوں کو غلط قرار دینا یا تفسیق کا حکم لگانا حسب ضرورت ہوتا ہے، لیکن تکفیر کا حکم صرف اس وقت لگایا جاتا ہے جب شرعی دلائل اور نصوص واضح ہوں۔ شارع نے کسی بھی مسلمان کی تکفیر سے سخت منع کیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا}

ترجمہ: "اور جو تم سے سلام کہے، تم اسے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے۔"

(سورۃ النساء:94) یہ آیت اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ ہم کسی مسلمان کو کافر یا غیر مؤمن نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس پر کفر کا واضح اور ثابت دلیل نہ

ہو۔ بخاری اور مسلم میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ."

ترجمہ: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فسق یا کفر کا الزام لگائے اور وہ حقیقت میں فسق یا کفر میں مبتلا نہ ہو تو یہ الزام خود اس پر واپس آجاتا ہے۔ (متفق علیہ)

دوسری حدیث میں فرمایا: "أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا."

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو کہے کہ اے کافر! تو ان میں سے ایک شخص کافر ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ) ابن دقیق العید رحمہ اللہ اس حدیث کے حوالے سے کہتے ہیں: "یہ ان لوگوں کے لیے بہت بڑی وعید ہے جو کسی مسلمان کو کافر کہتے ہیں، جبکہ وہ اصل میں کافر نہ ہو، اور یہ ایک سنگین مسئلہ ہے جس میں بہت سے متکلمین مبتلا ہیں، خاص طور پر وہ لوگ جو اہل السنۃ والجماعۃ کو کفر کی طرف منسوب کرتے ہیں، جیسے شیعہ حضرات جو عقیدے میں اختلاف کی بنیاد پر انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔" (شرح مقدمة ابن الصلاح)

تکفیر کے سنگین نتائج: تکفیر ایک پیچیدہ اور حساس مسئلہ ہے، اور بغیر کسی شرعی دلیل کے تکفیر کرنا ایک سنگین جرم ہے، جس کے مندرجہ ذیل خطرناک نتائج ہو سکتے ہیں:

(1) اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ: جب کسی شخص کو بلا جواز کافر قرار دیا جائے تو یہ دراصل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بولنا ہے۔

(2) خون کا حلال ہونا: جس شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے، اس کا خون حلال ہو جاتا ہے۔

(3) غلط تکفیر کا رد: اگر غلط طور پر کسی شخص کو کافر قرار دیا جائے، تو یہ تکفیر پھر واپس اسی شخص پر آجاتی ہے، یعنی خود تکفیر کرنے والا کافر بن سکتا ہے۔

(4) خلود فی النار: غلط تکفیر کے نتیجے میں خلود فی النار کا مسئلہ بھی آسکتا ہے، کیونکہ یہ کسی شخص پر خلود فی النار کا حکم لگانے کے مترادف ہے۔

(5) عداوت، دشمنی اور جھگڑے: تکفیر سے معاشرے میں نفرت، عداوت، دشمنی اور جھگڑے جنم لیتے ہیں، جو اسلامی اتحاد کے لیے نقصان دہ ہیں۔ انہیں سب مسائل کو مد نظر رکھ کر علماء نے کچھ ایسے ضوابط و قواعد بنائے ہیں جن کا جاننا بہت ضروری ہے۔

تکفیر کے ضوابط:

تکفیر کے چار اہم ضوابط ہیں:

(1) ظاہری دلیلوں کی بنیاد پر حکم لگانا: اہل السنۃ والجماعۃ کا اصول یہ ہے کہ تکفیر کا حکم صرف ظاہری دلیلوں کی بنیاد پر لگایا جائے گا۔ وہم، گمان یا دعویٰ کے مطابق تکفیر کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ کیونکہ دلوں کے راز اور نیتوں کو صرف اللہ تعالی

ہی جانتا ہے، اس لیے کسی کو محض شک یا دعویٰ کی بنیاد پر کافر قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ قطعی اور واضح دلیل نہ ملے۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ حرقہ کی طرف بھیجا۔ ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست دے دی، پھر میں اور ایک اور انصاری صحابی اس قبیلہ کے ایک شخص (مرداس بن عمر نامی) سے بھڑ گئے۔ جب ہم نے اس پر غلبہ پا لیا تو وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگا۔ انصاری تو فوراً رک گیا لیکن میں نے اسے اپنے برچھے سے قتل کر دیا۔ جب ہم لوٹے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی خبر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اسامہ کیا اس کے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ وہ قتل سے بچنا چاہتا تھا (اس نے یہ کلمہ دل سے نہیں پڑھا تھا)۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے (کیا تم نے اس کے لا الٰہ الا اللہ کہنے پر بھی اسے قتل کر دیا) یہاں تک کہ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لاتا۔" (بخاری:4269 و مسلم بخلاف یسیر)

اس حدیث کے بارے میں امام النووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: اس حدیث سے فقہ اور اصول کے ایک قاعدہ کا ثبوت ملتا ہے کہ احکام میں ظاہر دیکھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ باطن کا متولی ہے۔ (شرح صحیح مسلم)

(2) **تکفیر معین سے احتیاط و اجتناب:** اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب وسط کا مذہب

ہے، وہ یہ نہیں کہتے کہ کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی چاہے وہ کفریہ اعمال بھی انجام دیتا ہو (یا اس سے کفرا کبر کا ارتکاب ہو رہا ہو)، اور نہ ہی بغیر قواعد و موانع کو جانچے ہر گناہ پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں، بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ عمومی اقوال کی بنیاد پر تکفیر کا حکم لگاتے ہیں، جیسے بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے یا اللہ تعالی کو آخرت میں نہیں دیکھا جائے گا وغیرہ۔ تاہم کسی معین شخص پر تکفیر کا فیصلہ کرنے کے لیے مخصوص شرائط کی موجودگی اور موانع کی عدم موجودگی ضروری ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا واضح قول ہے کہ تکفیر کا اطلاق عمومی طور پر کسی قول یا عمل پر کیا جاتا ہے، جیسے یہ کہنا کہ "جس نے یہ فعل کیا وہ کافر ہے" یا "جس نے یہ بات کہی وہ کافر ہے"۔ تاہم کسی خاص شخص پر تکفیر کا حکم لگانا اس وقت تک درست نہیں ہو گا جب تک کہ تمام ضوابط اور شرائط کا مکمل لحاظ نہ رکھا جائے۔ تکفیر کا فیصلہ ان قواعد و ضوابط کی روشنی میں کیا جائے گا، نہ کہ محض ظاہری دعویٰ یا گمان کی بنیاد پر۔ (مجموع الفتاوی)

(3) قیام حجت: اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ تکفیر اور عذاب کا حکم صرف اس صورت میں ہو گا جب حجت قائم ہو چکی ہو، یعنی جب کسی پر اللہ کی طرف سے مکمل اور واضح دلائل پہنچ چکی ہو۔ حجت تمام ہونے کے بعد کسی کو کافر یا عذاب کا مستحق قرار دینا صحیح نہیں، اس بات کی وضاحت قرآن میں کئی جگہ ملتی ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(الف){وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا}(الاسراء:15)

ترجمہ: اور ہم کسی قوم کو عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم ان کے پاس رسول نہ بھیج دیں۔

(ب) رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ.(النساء:165)

ترجمہ: ہم نے رسول بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تا کہ لوگوں کے لیے رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی حجت نہ ہو۔یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالی کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک کہ ان کے درمیان رسول نہ بھیج دے اور حجت نہ قائم ہو۔پس جس شخص پر حجت قائم نہیں ہوئی وہ معذور ہے،اور یہی اصول ابن قیم، ابن تیمیہ، امام ذہبی اور ابن حزم جیسے عظیم علماء کا بھی ہے۔ہر گناہ پر تکفیر نہیں ہوتی۔

(4)اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی مسلمان کو صرف گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا، چاہے وہ کبیرہ گناہ ہو یا صغیرہ، بشرطیکہ وہ ان گناہوں کو حلال نہ سمجھتا ہو۔اگر کوئی شخص کسی گناہ کو یا حرام کام کو حلال سمجھ کر کرے، تب اس پر تکفیر کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔اس بارے میں وعیدیہ، قدریہ اور خوارج کا موقف الگ ہے، جو کبائر اور صغائر کی بنیاد پر کفر کا

فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ یہ منہج غلط ہے کیونکہ تکفیر کا فیصلہ صرف گناہ کے ارتکاب پر نہیں، بلکہ اس کے عقیدے اور نیت کے مطابق کیا جاتا ہے۔

قارئین کرام: تکفیر کا فیصلہ صرف اس صورت میں کیا جاسکتا ہے جب تکفیر کے تمام ضوابط پورے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ تکفیر کے موانع (رکاوٹیں) بھی موجود نہ ہوں۔ موانع تکفیر یہ بات یقینی بناتے ہیں کہ تکفیر کا فیصلہ بغیر کسی جلدبازی کے کیا جائے۔ اس میں شخص کی حالت، اس کے علم کی کمی، یا کسی اور وجہ سے معذوری شامل ہو سکتی ہے۔ ان موانع کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ ہم کسی کو بے جا طور پر کافر نہ ٹھہرادیں۔

چنانچہ نیچے تکفیر کے تین اہم موانع ذکر کیے جارہے ہیں جن کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، تاکہ تکفیر کے معاملے میں کوئی بھی فیصلہ ان اصولوں کے مطابق اور صحیح طور پر کیا جاسکے۔

(1) جہالت: اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ یہ کہ وہ جاہل کی تکفیر نہیں کرتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کو محض لاعلمی اور جہالت کی بنیاد پر عذاب نہیں دیتا، بلکہ پہلے خبردار اور متنبہ کرتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے (وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا) اور فرمایا (رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل) اور حدیث میں ہے ایک شخص نے جو کہ بہت گناہ کیا کرتا تھا جب اس پر موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب

میں مر جاؤں تو مجھے جلا ڈالنا پھر میری ہڈیوں کو پیس کر ہوا میں اڑا دینا!! اللہ کی قسم! اگر میرے رب نے مجھے پکڑ لیا تو مجھے اتنا سخت عذاب دیگا جو پہلے کسی کو بھی اس نے نہیں دیا ہو گا۔ جب وہ مر گیا تو (اس کی وصیت کے مطابق) اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم فرمایا کہ اگر ایک ذرہ بھی کہیں اس کے جسم کا تیرے پاس ہے تو اسے جمع کر کے لا۔ زمین حکم بجالائی اور وہ بندہ اب (اپنے رب کے سامنے) کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: اے رب! تیرے ڈر کی وجہ سے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی۔ (بخاری:3481)

امام حزم اس حدیث کی تعلیق میں کہتے ہیں کہ اس شخص کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اللہ تعالی اس پر بھی قادر ہے کہ اس کی ہڈیوں کو جمع کر کے اپنے سامنے کھڑا کر دے، اس کے باوجود محض اللہ کے خوف کی بنا پر اور اسکے اقرار و جہالت کی بنا پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔ گویا جاہل تکفیر کے معاملے میں معذور ہے۔ (الفصل في الملل والأهواء والنحل)

(2) سہو و خطا: اگر کوئی انسان بھول یا نادانستہ طور پر نواقضِ اسلام میں سے کسی ناقض کا ارتکاب کر بیٹھے، تو اہلِ سنت والجماعت کا منہج یہ ہے کہ ایسے شخص کو معذور سمجھا جائے گا، اور اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا} تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ [الأحزاب:5]" اسی طرح ارشاد فرمایا: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (البقرۃ: 286) اور حدیثِ مبارکہ میں ہے: 'إن الله وضع عن أمتي الخطأ، والنسيان، وما استكرهوا عليه' (بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، بھول چوک، اور جبر کے تحت کیے گئے اعمال کو معاف فرما دیا ہے)۔ [سنن ابن ماجہ: 2045]

(3) اکراہ واجبار: اہل سنت والجماعت کا منہج یہ بھی ہے کہ وہ مُکرِہ کی تکفیر نہیں کرتے، یعنی کسی شخص کو جبراً کفر کروایا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں، قول باری تعالی ہے {مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝} جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے [النحل:106]

اس کے علاوہ سابق حدیث ((إن الله وضع عن أمتي الخطأ، والنسيان، وما استكرهوا عليه)) بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ اہلِ سنت والجماعت کے اصول کے مطابق، اگر کوئی شخص بھول، نسیان یا اجبار کی حالت میں کسی ناقضِ ایمان کا

ارتکاب کرلے، تواسے کافرنہیں کہہ سکتے، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں ایسے امور پر معافی اورعذر کی گنجائش موجود ہے۔یہ تھے تکفیر کے کچھ اہم وضروری مسائل جن کو جاننا ضروری ہے،اللہ تعالی سے دعا ہے نقص وزیادتی کو معاف کرے اور صحیح علم حاصل کرنے کی اوراس پر عمل کرنے کی توفیق عطافرمائے آمین